ماہ نامہ
ہمدرد نونہال
نومبر ۲۰۱۷ء

اشاعت کا ۶۵ واں سال

یادگار : شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید

ماہ نامہ
ہمدرد نونہال

صدرِ مجلس
سعدیہ راشد

مدیرِ اعلا
مسعود احمد برکاتی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شمارہ ۱۱ | جلد ۶۵ | نومبر ۲۰۱۷ عیسوی

صفر المظفر ۱۴۳۹ ہجری

قیمت عام شمارہ ۳۵ رُپے

سالانہ (عام ڈاک سے) ۳۸۰ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے) ۵۰۰ رُپے

سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر) ۳۴۰ رُپے

سالانہ (غیر ممالک سے) ۵۰- امریکی ڈالر

ٹیلے فون ——— 36620945 سے 36620949
36616001 سے 36616004

ایکسٹینشن ——— (052 یا 066)

ٹیلی فیکس نمبر ——— (92-021) 36611755

ای میل ——— hfp@hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان ——— www.hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) ——— www.hamdard.com.pk

ویب سائٹ ادارۂ سعید ——— www.hakimsaid.info

فیس بک پیج ——— www.facebook.com/Hamdardfoundationpakistan

دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

"ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابل قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔"

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

ISSN 02 59-3734

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

جاگو جگاؤ	۴	شہید حکیم محمد سعید
پہلی بات	۵	سلیم فرخی
روشن خیالات	۶	ننھے گلچیں
حمدِ باری تعالیٰ	۷	شمس القمر عاکف
نعتِ رسولِ مقبولؐ	۸	ضیاء الحسن ضیا
نانی کا سامان	۹	حبیب اشرف صبوحی
علامہ اقبال کے استاد	۱۱	نسرین شاہین
سنو پیارے بچو! (نظم)	۱۴	امان اللہ نیر شوکت
بچ جاؤ (نظم)	۳۲	شاہد حسین
بیت بازی	۳۸	خوش ذوق نونہال
سنہرے موتی ۲	۴۵	ناصر محمود فرہاد
زیورچ ائیر پورٹ کی چڑیا	۵۵	محمود شام
علم دریچے	۶۱	نکتہ داں نونہال
ماؤزے تنگ	۶۵	عبدالستار ہاشمی

۳۴ سونے کی کلہاڑی

مسعود احمد برکاتی

نیکی اور بدی کی پہچان کراتی

سبق آموز چینی لوک کہانی

۲۱ دوسرا آدمی

جاوید بسام

آپ کے پسندیدہ کردار میاں بلاقی

کا ایک حیرت انگیز کارنامہ

۱۵ نیک انجام

انوار آس محمد

بُرائی کو بُرائی سے نہیں،

اچھائی سے مٹانا چاہیے

عنوان	صفحہ	مصنف
حیرت افزا	۶۷	ظفر شمیم
نونہال خبرنامہ	۶۹	سلیم فرخی
معلومات ہی معلومات	۸۳	غلام حسین میمن
معلومات افزا-۲۶۳	۸۶	سلیم فرخی
نونہال اسمبلی	۸۹	سید علی بخاری
ایٹنا پہاڑ	۹۲	ایم یوسف وحید
نونہال مصور	۹۳	ننھے فن کار
مسکراتی تصویریں	۹۴	....
تصویر خانہ	۹۵	ادارہ
آیئے مصوری سیکھیں	۹۶	غزالہ امام
ہنسی گھر	۹۷	ننھے مزاح نگار
ہنڈکلیا	۱۰۰	ذائقہ پسند نونہال
نونہال ادیب	۱۰۱	لکھنے والے نونہال
جوابات معلومات افزا-۲۶۱	۱۱۱	ادارہ
انعامات بلاعنوان کہانی	۱۱۳	ادارہ
آدھی ملاقات	۱۱۵	ادارہ
نونہال لغت	۱۲۰	ادارہ

ان مول دوستی — ۳۹

شازیہ ستار نایاب

دوست پرندوں کی وجہ سے کیسے تین بچوں کی جان بچی؟

بلاعنوان انعامی کہانی — ۷۵

حسن عادل

اس مزے دار سائنسی کہانی کا عنوان بتا کر ایک کتاب پایئے

جنگلی کتے — ۷۱

جاوید اقبال

وہ منظر بہت خوف ناک تھا جب ۴ جنگلی کتوں نے ایک نہتے شخص کو گھیر لیا تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد
شہید حکیم محمد سعید کی یاد رہنے والی باتیں

زندگی میں کام یابی کے لیے کئی چیزیں ضروری ہیں۔ ان میں اخلاق سب سے اول ہے۔ شاید بعض لوگ اخلاق کو کام یابی کے لیے ضروری نہ سمجھیں۔ ان لوگوں کی سوچ کا انداز یہ ہے کہ اخلاق میں کم زور، بلکہ بد اخلاق لوگ بھی کام یابی کے زینے پر چڑھ جاتے ہیں اور بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ ظاہر میں یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے، لیکن ذرا غور کیا جائے تو اندازہ ہو جائے گا کہ ایسے لوگ اصل میں ناکام ہوتے ہیں۔ وہ خود کو کام یاب سمجھتے ہوں، مگر یا تو ان کی کام یابی عارضی ہوتی ہے یا ظاہری ہوتی ہے۔ اندرونی طور پر وہ پریشان رہتے ہیں۔ اصل میں کام یاب انسان اس کو کہتے ہیں جس کو سکون و اطمینان میسر ہو، لوگ جس کی عزت کرتے ہوں اور جو دوسروں کا محتاج نہ ہو۔ کام یابی کے لیے دولت ضروری نہیں ہے۔ دولت کے بغیر بھی انسان عزت اور اطمینان کی زندگی گزار سکتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ زندہ رہنے کے لیے پیسہ بھی ضروری ہے، لیکن اتنا پیسہ کہ اس کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے دوسروں کا سہارا نہ لینا پڑے۔

جو لوگ دولت حاصل کرنے کے لیے غلط کام کرتے ہیں، وہ اپنی نظر میں یا دنیا کی نظر میں کتنے ہی کام یاب ہوں، اصل میں میں کام یاب نہیں ہوتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ محنت اور صلاحیت سے کمائی ہوئی دولت انسان کو سکون اور آرام پہنچاتی ہے، لیکن اگر انسان دولت ہی کو مقصد بنا لے تو پھر وہ اس کے لیے اپنے سکون، اپنے اصول، اپنی عزت کو بھی قربان کر دیتا ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اخلاق کے بغیر انسان صحیح معنی میں کام یاب نہیں کہلا سکتا۔

(ہمدرد نونہال اپریل ۱۹۸۶ء سے لیا گیا)

پہلی بات

سلیم فرخی

اس مہینے کا خیال:
عمل میں پختگی مثبت خیال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مسعود احمد برکاتی

السلام علیکم!

نومبر عیسوی سال کا گیارہواں مہینا ہے۔ ہمارے قومی شاعر علامہ اقبال کا یوم پیدائش ۹ نومبر ہے۔ شاعرِ مشرق کے بارے میں تو آپ سب جانتے ہیں۔ آج ہم شہرِ اقبال یعنی سیالکوٹ سے متعلق کچھ بات کریں گے۔ سیالکوٹ ایک قدیم شہر ہے، جسے پانڈو خاندان کے حکمراں راجا سل نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کا ذکر ہندوؤں کی مذہبی کتاب ''مہابھارت'' میں بھی ہے۔ اسی راجا کے نام سے اس جگہ کا نام سیالکوٹ پڑ گیا۔ ہندی زبان میں ''کوٹ'' کا مطلب احاطہ، چار دیواری، حصار، فصیل یا شہرِ پناہ ہے۔ کچھ عرصے بعد یہاں اس قدر زبردست سیلاب آیا کہ یہ علاقہ ایک ہزار برس تک غیر آباد رہا۔ راجا سمدت کے زمانے میں یہ علاقہ دوبارہ آباد ہونا شروع ہوا۔ بکرماجیت کے زمانے میں راجا سلوان نے یہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ ۳۶۰ء میں گکھر قبائل نے اس علاقے پر حملہ کر دیا، لیکن یہاں کے اس وقت کے راجا رسالو نے انھیں شکست دی۔ ۹۷۰ء میں راجا نیروت نے یوسف زئی قبائل کی مدد سے شہر اور قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس کے بعد یہ علاقہ جموں کے راجا براہم دیو کے قبضے میں آ گیا۔ ۱۱۸۴ء میں شہاب الدین غوری نے حملہ کیا۔ ۱۵۲۰ء ظہیر الدین بابر نے سیالکوٹ کے راستے ہندستان پر چڑھائی کر کے ''خسرو کولتاش'' کو سیالکوٹ کا گورنر مقرر کیا۔ شاہ جہاں کے عہد میں یہ علاقہ علی مردان خان کے زیرِ انتظام رہا۔ ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ درانی نے یہاں پر قبضہ کرلیا۔ پھر یہ سکھوں کی عمل داری میں آیا۔ رنجیت سنگھ کے بعد انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں ان کے چنگل سے آزاد ہوا۔

اب یہ شہر گوجرانوالہ ڈویژن کا ایک ضلع ہے۔ یہ ضلع پانچ تحصیلوں، شکر گڑھ، نارووال، پسرور، ڈسکہ اور سیالکوٹ پر مشتمل ہے۔ اس کے شمال میں گجرات اور جموں کا علاقہ ہے۔ جنوب میں بھارت کا امرتسر، مشرق میں ضلع گورداس پور، مغرب میں شیخو پورہ اور گوجرانوالہ ہیں۔ سیالکوٹ ایک صنعتی شہر ہے۔ یہاں کھیلوں کا سامان، چمڑے کی مصنوعات، بچوں کے کھلونے، آلاتِ جراحی، برتن اور بہت سی صنعتی اشیا بنانے کے بے شمار چھوٹے بڑے کارخانے ہیں۔ یہاں بابا گرونانک کا گردوارہ بھی ہے، جہاں ہر سال میلا لگتا ہے اور بھارت سے سکھ یاتری یہاں آتے ہیں۔

علامہ اقبال کے علاوہ فیض احمد فیض (شاعر)، جاوید اقبال (کارٹونسٹ)، اسلم کمال (مصور)، ظہیر عباس (کرکٹر)، ہاکی کے کھلاڑی شہناز شیخ اور منظور جونیئر کا تعلق بھی سیالکوٹ سے ہے۔ یہ اقبال کے شاہینوں کا شہر ہے، جسے حکومت نے ہلالِ استقلال کے اعزاز سے نوازا ہے۔ خدا کرے، ہمارا وطن ان حسین خوابوں کی تعبیر بن جائے جو حکیم الامت علامہ اقبال نے دیکھے تھے۔

☆

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

روشن خیالات

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اللہ کو دیکھ رہے ہو یا اللہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

مرسلہ : تسبیح محفوظ علی، کراچی

حضرت عائشہؓ

خیر یہی ہے کہ شر سے باز آ جاؤ۔

مرسلہ : سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

حضرت علی کرم اللہ وجہ

جب کوئی دوست تم کو اپنا راز بتائے تو یوں سمجھ لینا کہ وہ اپنی عزت تم کو امانت دیتا ہے۔ اس میں کبھی خیانت نہ کرنا۔ مرسلہ: تعریم محمد ابراہیم احمدانی، سانگھڑ

امام غزالیؒ

مہمان کے آگے تھوڑا کھانا رکھنا بے مروتی اور حد سے زیادہ رکھنا تکبر ہے۔ مرسلہ: روبینہ ناز، کراچی

شیخ سعدیؒ

کم زوروں پر رحم نہ کرنے والا، طاقت وروں سے مار کھاتا ہے۔ مرسلہ : ناعمہ ذوالفقار، کراچی

جبران خلیل جبران

جن عمدہ خیالات کو تم نے قول کے ذریعے قید کر رکھا ہے، انھیں عمل کے ذریعے آزاد کر دو۔

مرسلہ : عائشہ صدیق، دستگیر

عربی کہاوت

آزادی کی تکلیف، غلامی کے آرام سے بہتر ہے۔

مرسلہ : عائشہ محمد خالد قریشی، سکھر

ارسطو

بُری عادت انسان کے مزاج کو خراب کر دیتی ہے اور مزاج کے خلاف کام کرواتی ہے۔

مرسلہ: خدیجہ صمد، کراچی

جان ملٹن

اچھی کتاب انسان کی زندگی کا بہترین سرمایہ ہے۔

مرسلہ : محمد ارسلان صدیقی، گھوٹکی

بائرن

مصروف آدمی کے پاس آنسو بہانے کا وقت نہیں ہوتا۔ مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

حمدِ باری تعالیٰ

شمس القمر عاکف

وہ جس نے چاند چمکایا فضا میں
سنبھالا ہے پرندوں کو ہوا میں

کیے تخلیق دن اور رات جس نے
بنائے نور اور ظُلمات جس نے

وہ جس کی حکمرانی چار سُو ہے
وہ جس کا ذکر پھیلا کُو بہ کُو ہے

وہی سارے جہانوں کا ہے مالک
اکیلا کُل خزانوں کا ہے مالک

ہر اک مخلوق کا خالق وہی ہے
ہر اک روح کا رازق وہی ہے

سبھی محتاج ہیں، داتا وہی ہے
سبھی کو پالتا تنہا وہی ہے

جو دل کے راز تک بھی جانتا ہے
وہی میرا خدا، تیرا خدا ہے

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

ضیاء الحسن ضیا

واللہ ، ایسا دل تو کسی کام کا نہیں
جس دل میں آرزوئے حبیبِ خداؐ نہیں

روشن کیا جو اپنے عمل سے حضورؐ نے
ایسا کوئی چراغ ہوا سے بجھا نہیں

حُسنِ سلوک یہ ہے کہ دشمن کے واسطے
سرکارؐ کے لبوں پر کوئی بد دعا نہیں

صدقِ مقال کا اُسے دعوا ہو کس طرح
جس کی زبانِ قلب پہ حمد و ثنا نہیں

اللہ کے حضور پہنچ ہی نہ پائے گا
جو مصطفائی نقشِ قدم پر چلا نہیں

پیشِ نظر ہے اُسوۂ خیر الوراؐ ضیاؔ
دشوار میرے حق میں کوئی مرحلہ نہیں

نانی کا سامان

حبیب اشرف صبوحی

ایک بار میری والدہ صاحبہ ایک شادی میں شرکت کے لیے لاہور سے کراچی روانہ ہوئیں۔ اپنے کپڑے، شادی میں دینے کے لیے زیور اور پیسے ایک اٹیچی کیس میں رکھ لیے۔ جب کراچی کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچیں تو دیکھا کہ اٹیچی کیس غائب ہے۔ وہ بڑی پریشان ہوئیں۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ جب ٹرین حیدر آباد پہنچی تو ایک خاندان کے کچھ لوگ جو لاہور سے بیٹھے تھے، جلدی میں اپنے سامان کے ساتھ والدہ صاحبہ کا اٹیچی کیس بھی لے گئے ہیں۔

والدہ صاحبہ کہنے لگیں: ''مجھے اللہ پر بھروسا ہے کہ میرا سامان ان شاء اللہ مل جائے گا۔''

میرا بھانجا اسٹیشن پر والدہ صاحبہ کو لینے آیا ہوا تھا، اس نے کہا: ''میں حیدر آباد جاتا ہوں۔ آپ مجھے اٹیچی کیس کی چابی دے دیں۔ میں ان شاء اللہ آپ کا سامان واپس لے کر آتا ہوں۔''

میری والدہ نے کہا کہ باتوں کے دوران پتا چلا تھا کہ اگلے روز ان کے بھائی کی شادی ہے۔ ان کا بھائی ڈاکٹر ہے اور وہ لطیف آباد میں رہتا ہے۔

دوسرے روز میرا بھانجا حیدر آباد پہنچا۔ وہ اپنے ایک دوست کے گھر گیا اور اس سے کہا کہ ریل کے سفر کے دوران کسی گھر کے لوگ غلطی سے اپنے سامان کے ساتھ ہماری نانی کا اٹیچی کیس لے گئے ہیں، میں وہ واپس لینے آیا ہوں، وہ لوگ لطیف آباد گئے ہیں۔ تم میری مدد کرو۔

دوست نے کہا: ''ہم صبح لطیف آباد میں تمام ڈیکوریشن والوں کے پاس جاتے اور ان سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے کسی ڈاکٹر صاحب کے گھر دعوتی سامان پہنچایا ہے۔''

صبح وہ دونوں اپنے مشن پر نکلے اور تمام ڈیکوریشن والوں سے معلوم کیا، لیکن کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ دوسرے روز وہ لطیف آباد کے تمام نکاح خواہوں سے ملے اور پوچھا کہ آپ نے کسی ڈاکٹر صاحب کا نکاح پڑھایا ہے؟ آخر ایک نکاح خواں نے بتایا کہ میں نے فلاں پتے پر ایک نکاح پڑھایا تھا اور لڑکا ڈاکٹر ہے۔ یہ لوگ نکاح خواں سے ڈاکٹر کا پتا لے کر اس کے گھر گئے اور پوچھا کہ کیا آپ کے کچھ رشتے دار لاہور سے فلاں ٹرین سے فلاں وقت پر آئے ہیں؟

ڈاکٹر صاحب نے بتایا: ''ہاں، آئے ہیں۔''

میرے بھانجے نے کہا: ''وہ غلطی سے اپنے سامان کے ساتھ میری نانی کا اٹیچی کیس بھی لے آئے ہیں۔''

ڈاکٹر صاحب نے چونک کر کہا: ''ہاں ہاں، لائے تو ہیں، آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ اٹیچی کیس آپ ہی کا ہے؟''

میرے بھانجے نے اٹیچی کیس کی چابی ان صاحب کو دی اور کہا: ''اسے لگا کر دیکھ لیں، اگر یہ چابی اٹیچی کیس کے تالے میں لگ جاتی ہے تو وہ ہمارا ہے اور اس میں فلاں فلاں سامان بھی ہے۔''

ڈاکٹر صاحب نے اٹیچی کیس میں جب چابی لگائی تو وہ لگ گئی، اس لیے انھوں اٹیچی کیس میرے بھانجے کو دے دیا۔ اس طرح وہ اٹیچی کیس با حفاظت والدہ صاحبہ تک پہنچ گیا۔

یہ اللہ پر بھروسا، نیک نیتی اور حق حلال کی کمائی کا نتیجہ تھا کہ سامان بخیریت مل گیا۔ ☆

علّامہ اقبال کے استاد

نسرین شاہین

بیسویں صدی کے معروف شاعر، مفکّرِ پاکستان، قانون داں، سیاست داں اور تحریکِ پاکستان کی اہم ترین شخصیت علامہ محمد اقبال تھے۔ اقبال کے والد شیخ نُور محمد دین دار آدمی تھے۔ بیٹے کے لیے دینی تعلیم ہی کافی سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے اپنے بیٹے اقبال کو مدرسہ مولانا ابوعبداللہ غلام حسین کی درس گاہ میں قرآن شریف پڑھانے کے لیے بٹھا دیا۔

ایک دن مولوی غلام حسین مواحد بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ مولوی سید میر حسن جیسے استاد کا ادھر سے گزر ہوا۔ وہ مولوی غلام حسین مواحد سے ملاقات کے لیے مکتب میں تشریف لے آئے۔ محمد اقبال بھی مکتب میں اپنا سبق یاد کر رہے تھے۔ دورانِ گفتگو معصوم صورت، ذہین اقبال پر ان کی نظر پڑی تو دریافت کیا: ''مولوی صاحب! یہ کس کا بچہ ہے، کیا نام ہے؟''

مولوی صاحب نے فرمایا: ''یہ شیخ نور محمد کا لڑکا محمد اقبال ہے۔''

معلوم نہیں کہ اس کم سن، لیکن متین و معصوم صورت بچے کی پیشانی پر مولوی میر حسن نے ذہانت، فراست اور اقبال مندی کو کیسے دیکھ لیا تھا کہ چند روز بعد ان کی ملاقات اقبال کے والد سے سرِ راہ ہوئی تو فرمایا: ''محمد اقبال شوالہ کے مکتب میں جاتا ہے، اسے میرے پاس بھیج دیں، میں اسے خود پڑھاؤں گا۔''

یوں اقبال اپنے استاد مولوی میر حسن کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ابتدائی

تعلیم و تربیت مولوی میر حسن کی زیرِ نگرانی مکمل کی۔ اقبال کے بزرگ استاد سچے عالمِ دین تھے۔ انھوں نے ان کی تربیت اتنی دل جمعی اور توجہ سے کی تھی کہ تعلیمی دور کے اگلے مراحل آسان ہوتے چلے گئے۔

اقبال کی شخصیت اور ان کی قابلیت پر ان کے استاد میر حسن کی تعلیم و تربیت کا اثر رہا۔ مولوی میر حسن اردو، عربی اور فارسی کے بہترین استاد تھے، ان کی حیثیت بلند پایہ عالم و فاضل ہونے کے علاوہ اخلاق، دین داری، ذوقِ علم، اطاعت والدین اور دینی علوم سے گہرا شغف رکھنے والے بزرگ کی تھی۔ اقبال کو ایک عالم بے نظیر بنانے کی انھیں بہت فکر تھی۔

مولوی میر حسن کے والد حکیم محمد شاہ صاحب نے ان کی توجہ آبائی پیشہ طباعت کی طرف دلانا چاہی، مگر میر حسن کا رجحان درس و تدریس کی طرف تھا۔ آغاز ایک مسجد سے کیا۔ میر حسن ایک دین دار گھرانے کے چشم و چراغ تھے، ۸- اپریل ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد شاہ شہر کے معروف طبیب تھے۔ مولوی میر حسن کو مشن اسکول سیالکوٹ میں فارسی پڑھانے کے لیے دس روپے ماہ وار کی ملازمت پیش کی گئی، جو انھوں نے قبول کر لی۔ پھر کچھ عرصے بعد کالج میں پڑھانے لگے۔

جنوری ۱۹۲۳ء میں اقبال کو سر کا خطاب ملا۔ اس حوالے سے یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ پنجاب کے گورنر مسٹر میکلیگن نے جب علامہ محمد اقبال کو ''سر'' کا خطاب دینے کی پیش کش کی تو انھوں نے ''شمس العلماء'' کے خطاب کے لیے اپنے استادِ محترم کا نام پیش کیا۔ گورنر پنجاب میکلیگن نے چند لمحے توقف کے بعد کہا: ''اچھا یہ فرمایئے، انھوں

نے کون سی کتابیں تصنیف کی ہیں؟''

علامہ محمد اقبال نے فرمایا: ''ان کی زندہ تصنیف میں خود آپ کے سامنے موجود ہوں، جسے گھر سے بلا کر ''سر'' کا اعزاز دیا جا رہا ہے۔ اس طرح ان کے محترم استاد میر حسن کے لیے ''شمس العلماء'' کا خطاب منظور ہوا۔

علامہ اقبال نے گورنر پنجاب کو مزید توجہ دلائی کہ میرے بزرگ استاد ضعیف العمر ہیں، انھیں لاہور کے سفر کی زحمت نہ دی جائے۔ اس مجبوری کے پیش نظر گورنر ہاؤس سے ''شمس العلماء'' کے خطاب کی سند مولوی میر حسن کو ان کے فرزند کے ذریعے جو گورنر ہاؤس میں معالج تھے، سیالکوٹ بھیج دی گئی۔

علامہ محمد اقبال کے دل میں اپنے فاضل استاد کے لیے جو بے پناہ محبت تھی اور ادب و احترام موجود تھا، اس مثال سے بخوبی واضح ہے۔ مولوی میر حسن نے سیالکوٹ میں اپنے اس ہونہار طالب علم کی تربیت کی تھی۔ اس کا اثر اقبال کی شخصیت پر نمایاں رہا۔ اقبال جب لاہور آ گئے تو سیالکوٹ میں مقیم استاد محترم مولوی میر حسن سے خط و کتابت کی صورت میں رشتہ قائم رکھا۔

شمس العلماء مولوی میر حسن نے ۸۵ برس کی عمر میں ستمبر ۱۹۲۹ء میں وفات پائی۔ غم رسیدہ اقبال لاہور سے سیالکوٹ پہنچ گئے اور ان کی تدفین میں شرکت کی۔

انجمنِ اسلامیہ نے سیالکوٹ میں جب اسلامیہ ہائی اسکول کی نئی عمارت تعمیر کی تو اسکول کے ہال کا نام ''مولانا میر حسن ہال'' رکھا۔

☆☆☆

سنو پیارے بچو!

امان اللہ نیر شوکت

تمھاری وجہ سے ہے شانِ وطن
تمھارے ہی دم سے ہے سب بانکپن
کرو ختم سب دشمنانِ وطن
کہ ہو پاک کانٹوں سے سارا چمن
بہادر بنو زندگی میں سدا
ڈرو نہ کسی سے خدا کے سوا
ہمیشہ غریبوں کے ساتھی بنو
جو مظلوم ہیں ، ان کے حامی بنو
صداقت کا ہر دم اُٹھاؤ علَم
کبھی مت شرافت کا توڑو بھرم
بنو تم ایوبی ، بنو تم ولید
کہ پھر لو گے تم ساری دنیا خرید
جیو صرف نیّر! وطن کے لیے
بہا دو لہو ، اس چمن کے لیے

نیک انجام

انوار آس محمد

بارش ذرا تھمی تو ماجد نے اپنا ٹھیلا باہر نکالا اور کچوریاں بنانے میں مصروف ہو گیا۔ برسات کے موسم میں لوگ پکوڑے اور کچوری زیادہ ہی پسند کرتے ہیں۔ وہ اپنے محلے میں بہت مشہور تھا اور تھوڑی ہی دیر بعد اس کے ٹھیلے پر بھیڑ لگ گئی۔

ماجد کچوری بناتے وقت صفائی کا خاص خیال رکھتا اور تمام چیزیں بھی عمدہ استعمال کرتا تھا۔ وہ اس بات کے سخت خلاف تھا کہ سستے اور ناقص تیل وغیرہ سے کچوری اور پکوڑے بنائے جائیں۔

آج ماجد جلد گھر جانا چاہتا تھا، کیوں کہ اس کی بیٹی کی طبیعت بہت خراب تھی۔ اسے تیز بخار تھا، مگر علاج کے لیے پیسے بھی چاہیے تھے، اس لیے اس نے ٹھیلا لگایا تھا۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ دو شریر نوجوان آئے۔ انھوں نے ماجد کے ٹھیلے سے بہت ساری کچوریاں کھا چکے تو ماجد نے ان سے پیسے مانگے۔

ایک نوجوان نے کہا: ''کس بات کے پیسے؟''

ماجد نے کہا: ''کچوریوں کے اور کس چیز کے بھائی!''

''ہمارے پاس تو پیسے نہیں ہیں اور اگر ہوتے بھی تو نہیں دیتے۔'' یہ کہہ کر دونوں نوجوان زور سے ہنسے۔

اب تو ماجد بڑا پریشان ہوا، پریشانی اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔

''بہت بُری بات ہے بچو! جاؤ، مت دو پیسے۔ اللہ مالک ہے۔'' ماجد نے ہارے

ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ بے چارہ خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ دونوں نوجوان وہاں سے پھر بھی نہیں ہٹے۔

ایک نوجوان بولا: ''ہم کیوں جائیں؟ ہم تو یہیں بیٹھ کر بارش کا مزہ لیں گے۔''

دونوں لڑکے آوارہ لگ رہے تھے۔ وہ کوئی بھی مصیبت مول لینا نہیں چاہتا تھا، اس لیے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اچانک اسے کسی کی چیخ سنائی دی۔ اس نے دیکھا کہ ایک لڑکے کا پاؤں پھسل گیا تھا۔ وہ زمین پر گرا تو اس کا سر پھٹ گیا اور خون نکلنے لگا۔ اس کا دوست اسے اُٹھانے کی کوشش کرنے لگا، لیکن جوں ہی اس نے طاقت لگائی تو وہ بھی گر پڑا اور پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ قریبی کھڑے لوگ یہ سب دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ شاید یہ دونوں شرارت کر رہے ہیں۔

تھوڑی دیر گزر گئی تو ماجد نے لوگوں سے کہا کہ یہ شرارت نہیں کر رہے، بلکہ واقعی تکلیف میں ہیں۔

لوگوں کی مدد سے ماجد دونوں کو ایک نزدیکی اسپتال میں لے گیا۔ ایک لڑکے کا تو سر پھٹا تھا، جب کہ دوسرے کے گردے میں پتھری تھی، جس کی وجہ سے اسے اچانک درد اُٹھا تھا۔

ماجد واپس اپنے ٹھیلے پر آیا۔ اب وہ گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا، کیوں کہ اسے اپنی بیٹی کو بھی اسپتال لے کر جانا تھا۔ جب وہ گھر پہنچا تو اس کی بیٹی بخار سے پھنک رہی تھی۔ وہ پریشان تھا۔ اس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ بیٹی کو لے کر جاتا جو پیسے کمائے تھے، وہ ان دو لڑکوں کے معائنے کی فیس ڈاکٹر کو دے دی تھی۔ اب اس کے پاس صرف

چار سو روپے تھے۔ جب کہ وہ چاہتا تھا کہ بیٹی کو کسی اچھے اسپتال میں دکھائے، کیوں کہ کئی روز سے بخار نہیں اُتر رہا تھا، لیکن مجبور تھا اور ایک سستے سے کلینک جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ ماجد نے دروازہ کھولا تو وہی دونوں لڑکے کھڑے ہوئے تھے۔ ایک کے ماتھے پر پٹی لگی ہوئی تھی۔

ماجد انھیں دیکھ کر حیران ہو گیا کہ یہاں کیسے آئے اور کیوں آئے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ماجد کچھ کہتا، ایک لڑکے نے کہا: ''ماجد بھائی! ہم آپ کا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں اور آپ سے معافی مانگنے آئے ہیں۔ ہم نے آپ کو پریشان کیا اور آپ نے ہمیں اسپتال لے جا کر ہم پر احسان کیا۔''

''ہاں، ماجد بھائی! آپ ہمیں معاف کر دیں۔'' دوسرے لڑکے نے کہنا شروع کیا: ''ہم اپنے کیے پر شرمندہ ہیں، آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ ہمیں آپ کے بارے میں اسپتال کی ایک نرس نے بتایا۔ ایک دکان دار نے ہمیں آپ کے گھر کا پتا بتایا۔''

''ٹھیک ہے بچو! میں نے معاف کیا۔ تم کو احساس ہوا، یہی کافی ہے۔'' ماجد نے کہا۔

''اگر آپ نے معاف کر ہی دیا ہے تو یہ قبول فرمایئے۔'' لڑکوں نے یہ کہتے ہوئے پانچ ہزار روپے ماجد کی طرف بڑھائے۔

ماجد نے پوچھا: ''ارے یہ کیا ہے؟''

''دکان دار نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ آپ کی بیٹی بہت بیمار ہے۔ یہ رپے رکھ لیں، آپ کے کام آئیں گے۔''

ماجد نے کہا: ''میں یہ پیسے بھلا کیسے لے سکتا ہوں؟''

ایک لڑکا بولا: ''ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اُدھار سمجھ کر ہی رکھ لیں۔ تھوڑے تھوڑے کر کے واپس کر دیجیے گا۔''

''یہ ٹھیک ہے، میں یہ پیسے بطور اُدھار رکھ لیتا ہوں۔ بہت بہت شکریہ، لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے اتنے پیسوں کا انتظام کیسے کر لیا؟''

ایک لڑکے نے کہا: ''اللہ کا شکر ہے کہ ہم کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، بس بُری صحبت میں رہ کر ہمارا مزاج بگڑ گیا ہے۔ یہ رقم ہم گھر والوں سے مانگ کر لائے ہیں۔''

دوسرے لڑکے نے کہا: ''آپ کے خلوص سے متاثر ہو کر اب ہم نے نیک راہ پر چلنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

ماجد نے دونوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

لڑکوں نے ماجد کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور ایمبولینس لینے چلے گئے۔ ☆

ای-میل کے ذریعے سے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تا کہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔ hfp@hamdardfoundation.org

عہدِ وفا

ایمان پریشے کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا مُنفرد ناول، مُحبت کی داستان جو معاشرے کے رواجوں تلے دب گئی، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

بُجھ نہ جائے دِل دیا

سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، مُحبت، نفرت، عداوت کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

قفس کے پنچھی
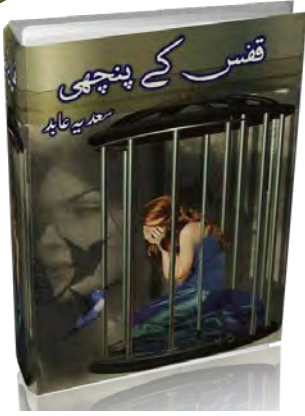
سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، علم و عرفان پبلشرز لاہور کے تعاون سے جلد، کتابی شکل میں جلوہ افروز ہو رہا ہے۔

آن لائن پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

جہنم کے سوداگر

مُحمد جبران (ایم فِل) کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ایکشن ناول، پاکستان کی پہچان، دُنیا کی نمبر 1 ایجنسی آئی ایس آئی کے اسپیشل کمانڈو کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

شہیدِ وفا

مُسکان احزم کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ناول، پاک فوج سے مُحبت کی داستان، دہشت گردوں کی بُزدلانہ کاروائیاں، آرمی کے شب و روز کی داستان پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

آپ بھی لکھئے:

کیا آپ رائٹر ہیں؟؟؟۔ آپ اپنی تحاریر پاک سوسائٹی ویب سائٹ پر پبلش کروانا چاہتے ہیں؟؟؟

اگر آپکی تحریر ہمارے معیار پر پُورا اُتری تو ہم اُسکو عوام تک پہنچائیں گے۔ **مزید تفصیل کے لئے یہاں کلک کریں۔**

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام، پاکستان کی سب سے زیادہ وزٹ کی جانے والی کتابوں کی ویب سائٹ، پاکستان کی ٹاپ 800 ویب سائٹس میں شُمار ہوتی ہے۔

دوسرا آدمی

جاوید بسام

شام کا وقت تھا۔ سورج مغرب کی طرف جھکنے لگا تھا۔ بلاقی ایک دور دراز قصبے میں سامان چھوڑ کر واپس جا رہا تھا۔ سڑک سے کچھ دور دریا اور کھیت تھے۔ بلاقی کی نظریں اُدھر کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔ آخر اسے دریا کے ساتھ ایک پَن چکی نظر آئی۔ وہ اس کے دوست ''ملر'' کی تھی۔ بلاقی جب بھی وہاں آتا، اس سے ضرور ملتا تھا۔ وہ بگھی کچی سڑک پر لے آیا۔ چکی دریا کے کنارے درختوں میں گھرے ایک ٹیلے پر بنی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ملر کا گھر بھی تھا۔ چکی کا بڑا سا پہیا بہتے پانی کی طاقت سے چلتا تو چکی آٹا پیسنے لگتی۔ بلاقی جب قریب پہنچا تو چکی چلنے کی آواز سنائی دی۔ بلاقی نے اوپر دیکھا۔ ملر کھڑکی کے
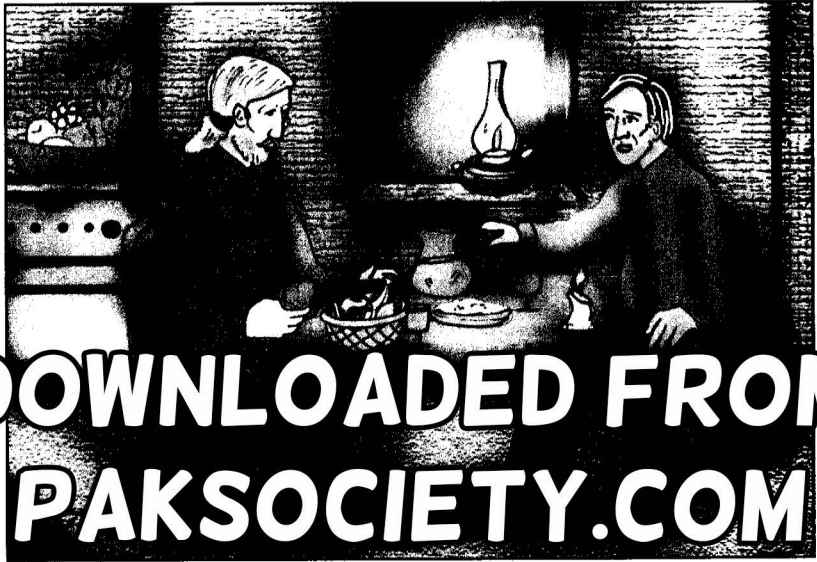
قریب بیٹھا تھا۔ اس کا منھ دوسری طرف تھا۔ بلاقی نے اسے آواز دی، مگر چکی کے شور میں اس نے نہیں سنی۔ بلاقی مسکرایا اور اوپر چڑھنے لگا۔ چکی کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بلاقی نے آواز لگائی: ''ملر! کس سوچ میں گم ہو؟''

ملر چونک کر اُٹھا اور بلاقی کو دیکھنے لگا۔ بلاقی نے اس سے ہاتھ ملایا اور ہنس کر بولا: ''اپنے دوست کو اتنی جلدی بھول گئے؟''

''تم...... شاید بلاقی ہو؟'' ملر سوچتے ہوئے بولا۔

''تم مجھے پہچان کیوں نہیں رہے؟'' بلاقی نے تعجب سے پوچھا۔

''میری نگاہ کم زور ہوگئی ہے۔ آؤ بیٹھو، تم کیسے ہو؟'' ملر نے پوچھا۔

''بس ٹھیک ہوں، آج اِدھر سے گزر رہا تھا تو سوچا، تم سے ملتا چلوں۔''

دونوں بیٹھ گئے اور جلد ہی گھل مل کر باتیں کرنے لگے۔ وہ پرانے واقعات یاد کر کے خوش ہو رہے تھے۔ پھر بلاقی بولا: ''اوہ، ہاں یاد آیا، تمھارے ہم شکل بھائی مورگن کا کچھ پتا چلا؟''

ملر چونکا، پھر سنبھل کر بولا: ''نہیں، وہ اب تک غائب ہے۔''

''تم نے ڈھونڈا نہیں؟''

''بہت ڈھونڈا تھا، لگتا ہے وہ کسی دوسرے ملک چلا گیا ہے۔''

''اچھا، کچھ کھلاؤ پلاؤ گے بھی یا باتوں سے پیٹ بھرنا پڑے گا؟'' بلاقی ہنس کر بولا۔

''تمھیں کھانا بنانے میں میری مدد کرنی پڑے گی۔'' ملر نے کہا۔

''کوئی بات نہیں، ہم مل کر بنا لیں گے۔''

دونوں چکی سے نکل کر گھر کے حصے میں آ گئے۔ ملر نے چولھا جلایا۔ بلاقی اس کی مدد کر رہا تھا، اچانک اس کی نظر صحن میں ایک پنجرے پر پڑی، جس میں دو بلیاں بند تھیں۔ ان کے بڑے بڑے بال تھے۔

''تم نے بلیاں پال لی ہیں؟'' بلاقی نے کہا۔

''ہاں، ذرا دل بہلا رہتا ہے۔''

''اچھا کیا، مگر ایسی بلیاں یہاں تو نہیں ہوتیں؟''

''یہ میں نے پڑوسی ملک سے منگوائی تھیں۔''

''آج کل کیا سرحد پار سے تجارت ہو رہی ہے؟'' بلاقی نے پوچھا۔

''نہیں، بند ہے۔''

''ہاں، پڑوسی ملک سے ہمارے تعلقات خراب ہی رہتے ہیں۔'' بلاقی بولا۔

ملر نے گردن ہلائی اور بولا: ''ذرا وہ ٹوکری میں سے پیاز دینا۔''

بلاقی کھڑکی کے پاس گیا اور پیاز نکال کر ملر کی طرف اُچھالا: ''لو، یہ پکڑو!''

وہ چلّایا: ''تمھیں یاد ہے، ہم بچپن میں اس طرح کھیلتے تھے؟''

ملر نے قہقہہ لگایا اور گردن ہلاتے ہوئے پیاز پکڑنے لگا۔

کچھ دیر میں کھانا تیار ہو گیا۔ دونوں کھڑکی کے قریب میز پر آ بیٹھے۔ دریا سبک رفتاری سے بہ رہا تھا۔ رات ہو گئی تھی۔ ملر نے لیمپ روشن کر دیا۔ دونوں کھانا کھانے لگے۔ کھانا کھا کر ملر نے چاے بنائی اور دونوں چاے کی چسکیاں لینے لگے۔

''اور سناؤ تمھارا کام کیسا چل رہا ہے؟'' ملر نے پوچھا۔

''بس ٹھیک ہے۔ زیادہ وقت سفر میں گزرتا ہے۔'' بلاقی نے کہا۔

دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ بلاقی، دوست سے مل کر بہت خوش تھا، لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ ملر کچھ پریشان ہے۔ رات گہری ہو گئی تھی۔

ملر بولا: ''کھڑکی کے قریب تمھارا بستر لگا دوں؟''

''ہاں، میں تھک گیا ہوں، اب آرام کروں گا۔'' بلاقی انگڑائی لے کر بولا۔

ملر نے بستر لگا دیا اور خود دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ بلاقی نے لیمپ بجھایا اور بستر پر لیٹ گیا۔ جلد ہی اسے نیند آ گئی۔

رات کا آخری پہر تھا کہ کسی کھٹکے سے بلاقی کی آنکھ کھل گئی۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ بلاقی کو پیاس محسوس ہوئی۔ وہ کمرے سے باہر آیا اور پانی پیا۔ یکایک اس کی نظر دوسرے

کمرے پر پڑی، جہاں دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ وہ حیرت سے آگے بڑھا اور اندر جھانکا۔ اسے ملر، موم بتی کی روشنی میں کچھ لکھتا نظر آیا۔ وہ خاموشی سے دیکھتا رہا۔ ملر نے لکھنا بند کیا تو بلاقی دبے پاؤں کمرے میں چلا گیا اور لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد آہٹ ہوئی، پھر ایک سایہ دروازے تک آیا۔ بلاقی نے ذرا سی آنکھ کھول کر دیکھا، وہ ملر تھا۔ وہ چند لمحے بلاقی کو دیکھتا رہا، پھر پنجرے کی طرف بڑھ گیا۔ بلاقی، ملر کی ان پُراسرار حرکتوں پر حیران تھا۔ وہ خاموشی سے اُٹھا اور دروازے سے باہر جھانکا۔ نیم اندھیرے میں اس نے دیکھا کہ ملر پنجرے میں سے ایک بلی کو نکال رہا ہے، پھر کاغذ کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی۔ ملر نے ایک کاغذ تہ کر کے بلی کے گلے میں پڑے پٹے میں باندھا اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں جا کر اس نے بلاقی کے کمرے پر نظر دوڑائی۔ بلاقی کو اندازہ تھا، اس لیے وہ پہلے ہی پیچھے ہو گیا تھا۔ ملر نے اطمینان کر کے دروازہ کھولا اور بلی کو باہر چھوڑ دیا۔ بلی نے سر اُٹھا کر ہوا کو سونگھا اور تیزی سے دوڑتی ہوئی اندھیرے میں غائب ہو گئی۔ ملر کچھ دیر تک اُدھر دیکھتا رہا، پھر دروازہ بند کر دیا۔ بلاقی فوراً اپنے بستر پر چلا گیا۔ اس کو باقی رات نیند نہیں آئی تھی، مختلف خیالات اس کے ذہن میں چکرا رہے تھے۔

اگلے دن بلاقی نے ناشتا کر کے ملر سے رخصت چاہی۔ ملر اسے دروازے تک چھوڑنے آیا۔ بلاقی اس سے ہاتھ ملا کر نیچے اُترنے لگا۔ وہ کسی سوچ میں گم تھا۔ بگھی کے پاس پہنچ کر وہ گھوما اور مسکرایا، پھر زمین سے ایک پتھر اُٹھا کر ملر کی طرف اُچھالا:

"لو دوست! پکڑو۔"

ملر نے گھبرا کر پتھر پکڑا۔

''بہت اچھے، اب تم پھینکو!'' بلاقی بولا۔

ملر نے قہقہہ لگایا اور پتھر اس کی طرف پھینکا۔ بلاقی نے پھرتی سے پکڑا اور بولا:
''پتا نہیں اب کب ملاقات ہو۔ میں نے سوچا، بچپن کی یادوں کو تازہ کرلوں۔''

ملر نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ بلاقی، بگھی میں بیٹھا اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔ جلد ہی وہ سڑک پر آ گیا۔ بگھی تیزی سے دوڑ رہی تھی اور بلاقی کا دماغ اس سے بھی تیز دوڑ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک قصبے میں داخل ہوا اور ایک ہوٹل کے باہر رک گیا۔ چائے پی کر وہ کاؤنٹر پر آیا اور منیجر سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ باتوں کے درمیان وہ بولا کہ میں اپنے دوست ملر سے ملنے آیا تھا۔

منیجر بولا: ''ہاں، وہ اچھا آدمی ہے اور آج کل تو خوب پیسہ کما رہا ہے۔ اسے چھاؤنی میں آٹا سپلائی کا ٹھیکہ مل گیا ہے۔''

''چھاؤنی میں آٹا سپلائی کا ٹھیکہ......'' بلاقی بڑبڑایا۔

منیجر نے گردن ہلائی اور اپنے کام میں لگ گیا۔ بلاقی باہر آیا اور ایک طرف چل دیا۔ پھر وہ کچھ لوگوں سے ملا اور ہوٹل میں ہی ٹھیر گیا۔

رات بہت اندھیری تھی۔ بلاقی، پَن چکی کے قریب ایک درخت پر پتوں میں چھپا بیٹھا تھا۔ ہوا کی سرسراہٹ اور مینڈکوں کے ٹرٹرانے کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ جب کچھ وقت گزر گیا تو وہ ایک موٹی شاخ کے ذریعے سے دیوار تک پہنچا اور بغیر آواز پیدا کیے اندر اُتر گیا۔ ملر کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ اس نے جھانکا۔ ملر کچھ لکھ رہا تھا۔ بلاقی پلٹ کر پنجرے کے پاس آیا اور اسے کھول دیا۔ بلیاں فوراً

باہر نکل گئیں۔ پھر تیزی سے دوڑیں۔ ان کا رُخ سرحدی علاقے کی طرف تھا۔ بلاقی صحن کے ایک اندھیرے گوشے میں دُبک گیا۔ کچھ دیر بعد ملر کمرے سے باہر آیا اور پنجرہ کھلا دیکھ کر چونک گیا۔ اس نے تیزی سے صحن میں نظر دوڑائی اور پلٹ کر کمرے میں جانے لگا۔ یکا یک اندھیرے گوشے سے آواز آئی: ''مورگن! تم اتنا حیران کیوں ہو؟''

وہ اُچھل پڑا اور گھوم کر دیکھا۔ بلاقی اندھیرے میں سے باہر آ گیا تھا۔

''اوہ! تو تم میری اصلیت جان گئے ہو! میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

وہ بولا اور خوف ناک طریقے سے بلاقی کی طرف بڑھا۔ ایک دم اس کا پاؤں رسی میں اٹکا، جو بلاقی نے وہاں باندھ رکھی تھی۔ وہ زور سے گرا۔

''تم یہ کیا کر رہے ہو؟ اور ملر کہاں ہے؟'' بلاقی نے چلّا کر پوچھا۔

مورگن بڑبڑاتا ہوا اُٹھا اور بلاقی کو ٹکر مارنے کی کوشش کی۔ بلاقی ایک طرف ہو گیا۔ مورگن جھٹکے سے آگے گیا، پھر وہ اچانک تیزی سے اپنے کمرے میں گھس گیا۔ بلاقی اس کے پیچھے آیا۔ مورگن؛ الماری میں سے پستول نکال رہا تھا۔ بلاقی نے پھرتی سے دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی۔ مورگن نے دروازے کو ٹھوکریں ماریں، لیکن دروازہ بہت مضبوط تھا۔ بلاقی بولا: ''آرام سے بیٹھ جاؤ، ابھی تمھارے میزبان آتے ہوں گے۔''

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ پھر اچانک دریا کی طرف والی کھڑکی کھلی اور زوردار چھپاکے کی آواز آئی۔ مورگن دریا میں کود گیا تھا۔ بلاقی کمرے میں داخل ہوا اور کھڑکی سے جھانکا۔ دریا تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اسے اندھیرے میں مورگن دوسرے کنارے کی طرف جاتا نظر آیا۔ اسی دوران بلاقی نے کچھ لوگوں کو دریا کے کنارے پر بھاگتے دیکھا۔

ان کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا اور وہ سیٹیاں بجا رہے تھے۔ پھر کسی نے پانی میں چھلانگ لگائی۔ بلاقی نے پُرخیال انداز میں اطمینان سے گردن ہلائی اور کھڑکی سے ہٹ گیا۔

کچھ دیر بعد تھانے میں بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ مورگن، پانی میں بھیگا ہوا تھا اور کھا جانے والی نظروں سے بلاقی کو دیکھ رہا تھا۔ پہلے بلاقی کا بیان لیا گیا۔ اس نے بتایا:

''ملر میرا پرانا دوست تھا۔ اس سے آخری ملاقات چھے ماہ پہلے ہوئی تھی۔ ان دنوں ملر کا ہم شکل بھائی مورگن بھی کہیں غائب ہو گیا تھا۔ کل جب میں پَن چکی پر آیا تو مجھے ملر کچھ بدلا ہوا محسوس ہوا، مگر پھر وہ جلد مجھ سے گھل مل کر باتیں کرنے لگا، کیوں کہ یہ بھی مجھے اچھی طرح جانتا تھا، لیکن رات کو جو کچھ میں نے دیکھا، اس سے میں سمجھ گیا کہ یہاں کوئی غلط کام ہو رہا ہے۔ کون کر رہا ہے! ملر یا مورگن؟ مجھے یہ معلوم کرنا تھا۔ صبح جب میں رخصت ہو رہا تھا میں نے ایک تجربہ کیا اور پتھر اُٹھا کر اس کی طرف اُچھالا۔ اس نے پکڑا اور واپس میری طرف پھینکا۔ اس لمحے میں جان گیا کہ یہ ملر نہیں ہے، کیوں کہ ملر ہمیشہ اُلٹے ہاتھ سے کوئی چیز پھینکتا تھا۔ اس کا سیدھا ہاتھ کم زور تھا۔ میں وہاں سے چلا آیا اور آپ لوگوں سے رابطہ کیا۔''

تھانے دار نے مورگن سے تفتیش شروع کی۔ مورگن نے بیان دینا شروع کیا:

''میں ہمیشہ سے امیر ہونے کے خواب دیکھتا تھا۔ ایک دن میری ملاقات ایک آدمی سے ہوئی، جو پڑوسی ملک کا جاسوس تھا۔ اس نے مجھے بھاری رقم کے بدلے جاسوسی کرنے پر آمادہ کیا۔ میں اس کے ساتھ پڑوسی ملک چلا گیا۔ وہاں میری تربیت کی گئی اور میں بھی دشمن ملک کا جاسوس بن گیا۔ مجھے اہم مقامات کے نقشے اور دیگر معلومات جمع کرنے کا حکم ملا۔ فوجی چھاؤنی میں آٹا پہنچانے کا ٹھیکہ ملا تو میرے لیے جاسوسی کا کام اور آسان ہو گیا

میں انھیں کاغذ پر لکھ کر تربیت یافتہ بلیوں کے ذریعے سے پڑوسی ملک بھیج دیتا۔ بلیاں راستہ یاد رکھتی تھیں اور ایک دو دن میں واپس آ جاتی تھیں۔ میں اپنا کام بڑی خوبی سے کر رہا تھا کہ بلاقی وہاں آ گیا۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

بلاقی نے گہری سانس لی اور بولا: ''ملر کہاں ہے؟''

مورگن خاموش ہو گیا۔

بلاقی اسے گھورتا رہا، پھر دھاڑا: ''ملر کہاں ہے؟ تم نے اسے مار ڈالا کیا؟''

مورگن کی گردن جھک گئی۔

بلاقی غضب ناک ہو کر آگے بڑھا اور اسے گھونسا مارا۔ مورگن کرسی سے نیچے گر گیا۔

''تم وطن فروش ہی نہیں قاتل بھی ہو۔ اب بھگتنا اپنے اعمال کی سزا۔'' بلاقی دکھی لہجے میں بولا۔ تھانے دار نے پکڑ کر اسے بٹھایا۔

مورگن نے بتایا کہ جب میں پڑوسی ملک سے واپس آیا تو بلیاں دیکھ کر ملر کو کچھ شک ہوا۔ اس نے اپنے شک کا اظہار بھی کر دیا۔ اسی وقت میرے دماغ میں یہ منصوبہ آیا اور میں نے اسے مار کر اس کی جگہ سنبھال لی اور ملر بن کر پَن چکی چلانے لگا۔

مورگن کو کال کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ تھانے دار نے بلاقی کا شکریہ ادا کیا۔ بلاقی واپس جانے کے لیے اُٹھا اور بھاری قدموں سے باہر نکل گیا۔ وہ اپنے دوست کی یاد میں اُداس تھا۔

☆☆☆

بچ جاؤ

شاہد حسین

جھوٹ ہے بچو! گندی عادت

گندی عادت سے بچ جاؤ

بُری ہے صحبت کسی بُرے کی

ایسی صحبت سے بچ جاؤ

گر سُستی میں ملتی راحت

ایسی راحت سے بچ جاؤ

بدنامی بھی اک ہے شہرت

ایسی شہرت سے بچ جاؤ

حرام کی دولت ہے بے فائدہ

ایسی دولت سے بچ جاؤ

ایسی ندامت سے بچ جاؤ

ایسی ندامت سے بچ جاؤ

چینی لوک کہانی

سونے کی کلہاڑی

مسعود احمد برکاتی

زمانہ گزرا، بہت زمانہ، ایک غریب لڑکا تھا۔ اس کا نام چن پنگ تھا۔ اس کے ماں باپ اتنے غریب تھے کہ اسے نوکری کرنی پڑتی تھی۔ وہ ایک زمیندار اسکن فلنٹ کا نوکر تھا۔ چن پنگ ایمان دار بھی تھا اور محنتی بھی۔ وہ صبح سے شام تک کام میں لگا رہتا۔ کبھی پانی بھر کر لاتا، کبھی لکڑیاں کاٹتا اور کبھی چاول صاف کرتا، پھر بھی اس کا مالک خوش نہ ہوتا۔ وہ چن پنگ کو سست کہتا اور کسی نہ کسی بہانے اسے ڈانٹتا پھٹکارتا رہتا۔ مارنے سے بھی نہ چوکتا۔

ایک دن بہت سردی تھی۔ اس سردی میں بھی چن پنگ کو پہاڑی کی چوٹی پر لکڑیاں کاٹنے جانا پڑا۔ سردی سے اس کے دانت بج رہے تھے۔ اس نے کندھے پر ایک لمبا سا ڈنڈا رکھا اور کمر کی پیٹی میں کلہاڑی اڑس لی۔ جب چن پنگ پُل پار کر رہا تھا کہ اس کی کلہاڑی پیٹی سے نکل کر ایک جھٹکے کے ساتھ دریا میں جا گری۔ ارے، یہ کیا ہوا! کلہاڑی کے بغیر وہ لکڑی کیسے کاٹے گا؟ وہ اتنا پریشان ہوا کہ دریا کے کنارے پر بیٹھ گیا اور رونے لگا۔ یکایک ایک سفید داڑھی والا آدمی نمودار ہوا اور چن پنگ سے پوچھنے لگا: ''میرے بچے! تم کیوں رو رہے ہو؟''

چن پنگ نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا: ''میری کلہاڑی دریا میں گر گئی ہے۔ میں اب لکڑیاں کیسے کاٹوں گا۔ جب میں گھر واپس جاؤں گا تو میرا مالک مجھے ضرور کوڑے لگائے گا۔''

''بس اتنی سی بات ہے، تو پھر مت رو، میں تمھاری کلہاڑی لائے دیتا ہوں۔'' یہ

کہہ کر بوڑھا دریا میں کود گیا۔ ذرا دیر بعد ایک کلہاڑی ہاتھ میں لیے واپس آ گیا اور وہ کلہاڑی چن پنگ کو دکھا کر پوچھنے لگا: ''دیکھنا، کیا یہ ہے تمھاری کلہاڑی؟''

چن پنگ نے کلہاڑی کو غور سے دیکھا، یہ ٹھوس چاندی کی بنی ہوئی تھی اور سورج کی روشنی میں اس کی چمک بڑی اچھی لگ رہی تھی، لیکن چن پنگ نے سر ہلا کر جواب دیا: ''نہیں دادا ابا! یہ میری والی کلہاڑی نہیں ہے۔''

بوڑھا پھر دریا میں کودا اور ہاتھ میں ایک اور کلہاڑی لیے ہوئے واپس آیا۔ یہ کلہاڑی سونے کی بنی ہوئی تھی اور پہلی والی سے بھی خوب صورت تھی، لیکن چن پنگ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: ''نہیں دادا ابا! یہ بھی میری نہیں ہے۔''

بوڑھا ہنسا اور پھر دریا میں کود گیا۔ اس بار وہ جو کلہاڑی لایا، وہ چن پنگ والی ہی تھی۔ چن پنگ خوشی سے اُچھل کر بولا: ''ہاں، یہ کلہاڑی میری ہے۔''

بوڑھے نے کلہاڑی چن پنگ کو تھما دی اور شاباشی دیتے ہوئے کہا: ''تم بہت اچھے اور ایمان دار لڑکے ہو۔'' چن پنگ اس کا شکریہ ادا کرنا ہی چاہتا تھا کہ بوڑھا اس کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

چن پنگ کلہاڑی لے کر پہاڑی کی طرف دوڑا۔ کلہاڑی اتنی اچھی تھی کہ چن پنگ نے ذرا سی دیر میں لکڑیوں کو چیر پھاڑ کر ایک بھاری گٹھا بنا لیا۔ یہ لکڑی جلانے کے لیے بہت اچھی تھی۔ اسکن فلنٹ کے گھر واپس جاتے ہوئے وہ اتنا خوش تھا کہ وہ ایک لوک گیت گنگنانے لگا۔ جب اسکن فلنٹ نے اس کو دیکھا تو غصے سے گھورنے اور بڑبڑانے لگا: ''تم سُست لڑکے! تم اتنی جلدی کیوں واپس آ گئے؟''

چن پنگ نے اس کو لکڑیوں کا بڑا گٹھا دکھایا اور بتایا کہ کس طرح اس کی کلہاڑی دریا میں گر گئی تھی اور کس طرح وہ بوڑھے آدمی سے ملا۔ یہ قصہ سن کر اسکن فلنٹ اور زیادہ غصے ہوا۔ وہ چلّایا: ''ارے بے وقوف! تم نے سونے کی کلہاڑی کیوں نہ لی! کم سے کم چاندی کی کلہاڑی تو لے لیتے۔ وہ لوہے کی اس پُرانی کلہاڑی سے تو کہیں زیادہ قیمتی تھی۔ تم کاٹھ کے اُلو ہو، تم سے بڑھ کر احمق میں نے آج تک نہیں دیکھا۔''

اسکن فلنٹ ڈانٹ رہا تھا، بڑبڑا رہا تھا، مگر اپنے ذہن میں کچھ اور ہی منصوبہ بنا رہا تھا۔

دوسرے دن صبح اسکن فلنٹ بہت جلدی اُٹھا۔ صحن میں جا کر اس نے پُرانی ٹوٹی ہوئی کلہاڑی اُٹھائی، گویا وہ لکڑیاں کاٹنے پہاڑ پر جا رہا ہو۔ پُل پر پہنچ کر اس نے اپنی کلہاڑی جان کر کے دریا میں پھینک دی اور کنارے پر بیٹھ کر زور زور سے رونے چلّانے لگا۔ وہی بوڑھا ایک بار پھر نمودار ہوا اور پوچھنے لگا: ''میرے دوست! تم کیوں بلک بلک کر رو رہے ہو؟''

اسکن فلنٹ نے جلدی سے سر اُٹھا کر دیکھا اور دل میں کہا کہ خوب، یہ وہی بوڑھا ہے، جس کا ذکر چن پنگ نے مجھ سے کیا تھا۔ وہ منھ پھاڑ کر اپنی پوری آواز سے چلّایا: ''آہ! میری کلہاڑی دریا میں گر گئی، مجھے ڈر ہے کہ گھر جاؤں گا تو وہاں میری پٹائی ہوگی۔''

بڈھے نے ہنس کر کہا: ''مت روؤ، میں تمھاری کلہاڑی واپس لا دوں گا۔'' یہ کہہ کر بوڑھا دریا میں کودا اور فوراً ہی کلہاڑی نکال لایا: ''یہی ہے نا تمھاری کلہاڑی؟''

سچی بات تو یہ ہے کہ یہ وہی کلہاڑی تھی جو اسکن فلنٹ نے دریا میں پھینکی تھی، لیکن اس نے منھ لٹکا کر جواب دیا: ''نہیں جی، میری کلہاڑی تو بڑی شان دار ہے۔''

بوڑھا دریا میں سے ایک اور کلہاڑی نکال لایا۔ اس نے اسکن فلنٹ سے پوچھا:

''کیا یہ والی کلہاڑی تمھاری ہے؟''

یہ چاندی کی بنی ہوئی تھی، لیکن اسکن فلنٹ کو اس پر بھی صبر نہیں آیا۔

''نہیں، یہ بھی میری نہیں ہے۔ میری کلہاڑی تو سونے کی بنی ہوئی تھی۔ بہتر ہے کہ تم ایک بار اور کوشش کرو اور مجھے سونے کی کلہاڑی لا دو۔''

بوڑھے نے چاندی کی کلہاڑی کنارے پر پھینک دی اور ایک بار پھر پانی میں غوطہ لگایا۔ اس بار وہ سونے کی کلہاڑی نکال لایا۔ یہ اتنی چمک دار تھی کہ اس کو دیکھتے ہی اسکن فلنٹ کی آنکھیں چُندھیا گئیں۔ بوڑھا ابھی مشکل سے دریا کے کنارے تک پہنچا تھا کہ اسکن فلنٹ نے اس کے ہاتھ سے کلہاڑی جھپٹ لی اور خوشی سے چیخا: ''آخر میری کلہاڑی مل گئی!''

اتنی دیر میں بوڑھا غائب ہوگیا۔ اسکن فلنٹ خوشی خوشی پُل کی طرف چلا۔ اس کے ایک ہاتھ میں سونے کی کلہاڑی تھی اور دوسرے ہاتھ میں چاندی کی۔ ان دونوں کو ہوا میں لہراتے ہوئے وہ خوشی سے ناچنے اور گانے لگا:

تقدیر مری راس آئی مجھے — قسمت نے مرے دن پھیر دیے
سونے کی کلہاڑی ہے اپنی — چاندی کی کلہاڑی بھی میری
سونے کی کلہاڑی کے بدلے — اک اپنا مکان خریدوں گا
چاندی کی کلہاڑی کے بدلے — اک اپنی زمین بناؤں گا
سونے کے چمکتے چمچوں سے — میں عمدہ سُوپ اُڑاؤں گا
پوشاک سنہری، پھر اس پر — سونے کے پھول سجاؤں گا
سونے کے چھپرکٹ پر اپنے — دیکھوں گا سُہانے ہی سپنے

پوشاک مکاں ، زر اور زمیں　　خوش مجھ سے زیادہ کوئی نہیں
تقدیر مری راس آئی مجھے　　قسمت نے مرے دن پھیر دیے

ابھی وہ آخری مصرعے پر پہنچا ہی تھا کہ اس کا پیر پھسلا اور وہ دھڑام سے دریا میں جا گرا۔ اتنی زور کی آواز ہوئی کہ شاید کوسوں تک سنی گئی ہوگی۔ اس کے بعد اسکن فلنٹ کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا اور چن پنگ کا کیا بنا! وہ ہر روز گھر سے پہاڑی پر جاتا اور اپنی بہترین لوہے کی کلہاڑی سے لکڑیاں کاٹتا ہے۔ اس نے اتنی لکڑیاں جمع کرلیں کہ وہ اس کے اور اس کے ماں باپ کی گھر بسر کے لیے کافی تھیں۔ اس طرح وہ آرام اور اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ ☆

خوش ذوق نونہالوں کے پسندیدہ اشعار

بیت بازی

فلک دیتا ہے جن کو عیش، ان کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

شاعر : داغ دہلوی پسند : پرویز حسین، کراچی

ٹھوکریں کھا کر یہ آتا ہے خیال
ہم بھی چل سکتے تھے ، آنکھیں کھول کر

شاعر: صبا اکبر آبادی پسند : محمد سجاد ملک، حیدر آباد

اس دور میں اے دوست! زبوں حالیِ مسلم
دیکھی نہیں جاتی ہے ، مگر دیکھ رہا ہوں

شاعر: بہزاد لکھنوی پسند: حمیدہ رحمان، اسلام آباد

وہ بھی عجیب شخص تھا ، الزام لے گیا
قندیل لے کے آیا تھا اندھوں کے شہر میں

شاعر: حبیب جالب پسند: راجا ثاقب محمود، پنڈ دادن خان

اپنی حدوں میں رہیے کہ رہ جائے آبرو
اوپر جو دیکھنا ہے تو پگڑی سنبھالیے

شاعر : قتیل شفائی پسند: ماہ نور اشعر، دستگیر

نتیجہ نیک یا بد کچھ ہو ، لیکن یہ حقیقت
مجھے اپنے پَروں میں لے لیا ماں کی دعاؤں نے

شاعر: عنبر چغتائی پسند: محمد عمر بن عبدالرشید، کراچی

ہر جرم میری ذات سے منسوب ہے محسن
کیا میرے سوا شہر میں معصوم تھے سارے

شاعر : محسن نقوی پسند : روبینہ ناز، کراچی

چند آنسو بھی ندامت کے، اثر رکھتے ہیں
اس طرح بوجھ گناہوں کا اُتر جاتا ہے

شاعر : یونس ہمدم پسند : زرین خان، کوئٹہ

پایا نہ اس اندھیرے اُجالے کا بھید کچھ
ہم زندگی کی شام و سحر سے گزر بھی آئے

شاعر: ظفر اقبال پسند: ثاقب احمد، ملتان

پربت پربت، وادی وادی، فطرت کی تحریریں ہیں
میرے دیس کے شہر اور گاؤں جنت کی تصویریں ہیں

شاعر: حسن رضوی پسند: محمد منیر نواز، ناظم آباد

گلیوں کی اُداسی پوچھتی ہے، گھر کا سناٹا کہتا ہے
اس شہر کا رہنے والا کیوں دوسرے شہر میں رہتا ہے

شاعر: غلام محمد قاصر پسند: حماد انیس، لانڈھی

محبت کی صدا کیسے سنے گا
کہ یہ انساں اسیرِ مال و زر ہے

شاعر: نعیم حیدر پسند: محمد ابراہیم، اورنگی ٹاؤن

حق بات میں پیمانۂ اظہار نہ دیکھو
جب زہر ہی پینا ہے تو مقدار نہ دیکھو

شاعر : نسیم عباسی پسند : شائلہ ذی شان، ملیر

میں تو اس واسطے چپ ہوں کہ تماشا نہ بنے
تُو سمجھتا ہے مجھے تجھ سے گلہ کچھ بھی نہیں

شاعر: اختر شمار پسند : نیلوفر احسن، لاہور

انمول دوستی

شازیہ ستار نایاب

فراز ہوم ورک کر کے فارغ ہوا تو اپنے دادا ابو کے پاس چلا آیا۔ اس کے دادا ابو حسبِ معمول گھر کے پچھلے حصے میں لگے ہوئے درختوں اور پودوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔

''دادا ابو! آپ کو صرف درخت اور پودے پسند ہیں، پرندے نہیں؟'' فراز نے کہا۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو بھئی فراز!'' دادا ابو نے گوڈی کرتے ہوئے کہا۔

''آپ مجھے پرندے پالنے کی اجازت جو نہیں دیتے۔'' فراز نے کہا: ''میرے سب دوستوں کے پاس پالتو جانور اور پرندے ہیں۔ مجھے جانور رکھنے کا شوق نہیں، بس مجھے پرندے بہت پسند ہیں۔''

دادا ابو نے کہا: ''اگر تمھیں پرندے اتنے پسند ہیں تو انھیں پالنے کے بجائے ان کے ساتھ دوستی کر لو۔''

''وہ کیسے دادا ابو؟'' فراز نے پوچھا۔

''وہ ایسے کہ تم صبح شام پیالوں میں ٹھنڈا پانی بھر کر اپنے کمرے کے سامنے ٹیرس پر رکھ دیا کرو۔ انھیں دانہ ڈالا کرو۔ دیکھنا، چند ہی دنوں میں درختوں پر بسنے والے سب پرندے تمھارے دوست بن جائیں گے۔'' دادا ابو نے سمجھایا۔

فراز نے ایسا ہی کیا۔ وہ صبح شام پیالوں میں ٹھنڈا پانی بھر کر رکھتا۔ ایک بڑا پیالا چڑیوں کے لیے لایا، ایک پیالا کوؤں اور کبوتروں کے لیے۔ چڑیوں کے لیے الگ سے ایک طرف دانہ ڈالتا اور کوؤں کے لیے الگ، کیوں کہ کوے چڑیوں کو مارتے تھے۔ چند ہی

دنوں میں سب پرندے فراز سے مانوس ہو گئے۔اب وہ فراز کو دیکھ کر خوف زدہ ہو کر اُڑتے نہیں تھے، بلکہ اس کے آس پاس پھرتے تھے۔

کبھی فراز انھیں دانہ پانی دینے میں دیر کر دیتا تو وہ اس کی کھڑکی کے پاس آ جاتے اور شیشے پر چونچیں مارنے لگتے۔کبھی ایسا ہوتا کہ فراز انھیں دانہ پانی تو ڈال دیتا، لیکن پڑھائی کی وجہ سے ان کے پاس زیادہ دیر نہ ٹھیر پاتا، تو پرندے کھڑکی کے شیشوں سے اسے دیکھتے رہتے اور چونچیں شیشے پر مار مار کر باہر بلاتے۔جیسے اس کی موجودگی ان کے لیے خوشی کا باعث ہو۔جب وہ باہر آتا تو اس کے اردگرد پھرتے، جیسے اس کا شکریہ ادا کر رہے ہوں۔فراز اپنے دوستوں کو جب یہ سب بتاتا تو وہ بہت حیران ہوتے۔

دن گزرتے گئے اور موسمِ سرما شروع ہو گیا۔اب دادا ابو نے فراز کو تلقین کی کہ وہ پرندوں کا پہلے سے زیادہ خیال رکھے اور انھیں وقت پر دانہ پانی دے، کیوں کہ سردی اور دُھند کے موسم میں ان کے لیے دور جا کر دانہ چُگنا مشکل ہوتا ہے۔

موسمِ سرما کی چھٹیاں شروع ہوئیں تو فراز کی خالہ اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ بہن سے ملنے آ گئیں۔ان کا بیٹا اظہر، فراز کا ہم عمر تھا اور طاہر چھوٹا تھا۔فراز ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔انھیں اپنے شہر میں گھمایا، اپنے پرندوں سے ملوایا۔اب وہ بھی صبح شام پرندوں کو دانہ پانی دیتے ہوئے فراز کے ساتھ رہتے۔

اس رات شدید سردی تھی۔دُھند نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔سب گھروں میں دُبکے بیٹھے تھے۔فراز بھی اپنے کمرے میں بیٹھا اظہر اور طاہر کے ساتھ کیرم کھیل رہا تھا۔کمرے کو گرم رکھنے کے لیے انھوں نے گیس کا ہیٹر جلا رکھا تھا۔فراز کی امی ان

کے لیے دودھ لے کر آئیں اور بولیں: ''ہیٹر بند کر دو۔ ابھی تھوڑی دیر میں گیس آنی بند ہو جائے گی۔ ویسے بھی گیس کا ہیٹر چلا کر نہیں سوتے۔''

''خالہ! ابھی ہم کھیل رہے ہیں اور جب تک گیس آ رہی ہے، تب تک ہیٹر چلنے دیں۔ آج بہت سردی ہے۔'' اظہر نے کہا۔

''ٹھیک ہے، لیکن سونے سے پہلے ہیٹر بند کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ صبح گیس آئے اور گیس کا اخراج شروع ہو جائے۔'' امی نے کہا۔

''آپ فکر نہ کریں۔ ہم ہیٹر آف کر دیں گے اور گیس والو بھی بند کر دیں گے۔'' تینوں نے بیک آواز کہا۔ امی مطمئن ہو کر چلی گئیں۔

بچے پھر کھیل میں مشغول ہو گئے۔ رات گہری ہونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد گیس بند ہو گئی

تو ہیٹر بھی بند ہو گیا۔ بچے کھیل میں لگے رہے، پھر انھیں نیند آ گئی اور وہ ہیٹر بند کرنا بھول گئے۔

صبح جب گیس آنی شروع ہوئی تو ہیٹر کھلا ہوا تھا، اس لیے گیس خارج ہونے لگی۔ بچے تھکے ہوئے اور گہری نیند میں تھے، ان کی آنکھ نہ کھلی۔ فراز پرندوں کو دانہ بھی نہ ڈال سکا۔ صبح جب پرندوں کو دانہ نہ ملا اور فراز بھی نظر نہ آیا تو انھوں نے کھڑکی کے شیشے پر چونچیں مارنا شروع کر دیں، گویا دستک دے رہے ہوں۔

کمرے میں گیس بھر چکی تھی۔ بچوں کو سانس لینے میں دشواری ہونے لگی۔ پرندوں کے شور اور دم گھٹنے کی وجہ سے ان کی آنکھ کھل گئی، لیکن اب اتنی ہمت نہ تھی کہ دروازہ کھولتے یا کسی کو مدد کے لیے پکارتے۔ پرندے زور شور سے کھڑکی پر چونچیں مار رہے تھے۔ ان میں چڑیاں بھی تھیں اور کوے بھی تھے۔ فراز انھیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے بستر سے اُترنے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہوا اور نیچے گر گیا۔ اس نے گلے پر ہاتھ رکھا۔ اسے لگا کہ بس اب وہ مرنے والا ہے۔ اظہر اور طاہر بھی آنکھیں موندے لیٹے تھے۔

لیکن اسی وقت پرندوں کی چونچیں لگنے سے کھڑکی کا شیشہ اپنی جگہ سے نکل کر نیچے گر گیا۔ تازہ ہوا کا جھونکا تیزی سے اندر آیا اور بچوں کو زندگی دے گیا۔ بچوں نے بند ہوتی آنکھیں کھولیں۔

اسی دوران میں دادا ابو پرندوں کا شور سن کر اوپر پہنچ گئے۔ انھیں لگا کہ فراز نے پرندوں کو دانہ نہیں ڈالا، اس لیے وہ شور مچا رہے ہیں۔ اوپر جا کر انھوں نے بچوں کو جگانے کے لیے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ تینوں بچے ادھ موئے پڑے ہوئے ہیں۔

بچوں کو فوراً اسپتال لے جایا گیا۔ جہاں بروقت طبی امداد سے تینوں بچوں کی جان بچالی گئی۔

امی نے کہا: ''بیٹا! اگر تم لاپرواہی نہ کرتے تو اتنی تکلیف نہ اُٹھانی پڑتی۔''

خالہ نے کہا: ''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بچوں کی جانیں بچ گئیں۔''

امی بولیں: ''اور بچوں کی جانیں ان معصوم پرندوں نے بچائیں۔ انھوں نے اپنی چونچیں اور پنجے مار مار کر شیشہ ہلا دیا۔ ان کا شور سن کر ہی بڑے ابو اوپر آئے۔''

ابو نے کہا: ''اللہ نے بڑا کرم کیا۔ پرندوں کو دانہ دینے کی نیکی ان کے کام آگئی۔''

دادا ابو نے کہا: ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ بیٹا! نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ فراز کو اس کی نیکی کا صلہ ملا ہے۔''

فراز اپنے معصوم دوست پرندوں کے متعلق سوچ رہا تھا، جو اب اس کے محسن بھی تھے۔

☆

آخری ٹکڑا

سنہرے موتی

ناصر محمود فرہاد

''اب تمھیں کیا ہوا ہے؟'' کتا غرایا: '' لگتا ہے بھوک نے تمھارا دماغ خراب کر دیا ہے، یا پھر تمھیں کچھ اور مل گیا ہے۔''

''میں اپنی اس بُری حالت پر غور کر رہی تھی۔ اب لگتا ہے کہ مجھے اس کی ساری وجہ سمجھ میں آگئی ہے۔''

''واقعی ...... کیا......؟'' کتا حیران ہو کر بولا۔

''پہلے مجھے یہ بتاؤ، کیا تم اپنے پُرانے خوش قسمت دن واپس لانے کے لیے میری مدد کرو گے؟'' بلی نے پوچھا۔

''یقیناً ...... میں ہر وہ کام کروں گا، جو ہماری خوش قسمتی کے دن واپس لا سکے۔'' کتے نے اُچھلتے ہوئے کہا۔ اس کی دُم زور زور سے ہلنے لگی تھی۔

''سنو! ...... میں ہر روز مالکن کو دیکھتی کہ وہ کالی ڈبیا میں سے چھوٹے چھوٹے

سنہرے موتی نکالتی اور برتن میں ڈالتی تو کچھ دیر بعد مزے کا کھانا تیار ہو جاتا۔ ایسا کئی بار میرے سامنے ہوا۔ ایک دفعہ تو مالکن نے مجھے مخاطب کر کے خوشی کے عالم میں یہ بھی کہا: ''دیکھو بلی! یہ صرف موتی نہیں، ہماری خوش قسمتی ہیں۔'' پھر ہنستے ہوئے اس نے ان موتیوں کو دوبارہ کالی ڈبیا میں بند کیا اور اس ڈبیا کو دوبارہ الماری میں رکھ لیا۔''

''کیا یہ سچ ہے؟ تم نے پہلے تو مجھے کبھی اس کے متعلق نہیں بتایا؟'' کتا اس کی باتیں سن کر حیران رہ گیا۔

بلی اس کو مزید بتانے لگی: ''تمھیں یاد ہے وہ دن، جب جو اور اس کے بیوی بچے ہمارے گھر کھانے پر آئے تھے اور دوسرے دن جو کی بیوی دوپہر کے قریب واپس ہمارے گھر میں آئی۔ اس وقت مالکن اور اس کا بیٹا گھر میں نہیں تھے۔ وہ ساتھ والے گاؤں میلے پر

گئے ہوئے تھے۔ میں نے اس عورت کو دیکھا۔ وہ موتیوں والی کالی ڈبیا کے پاس گئی اور اس میں سے وہ سنہرے موتی نکال لیے۔ مجھے یہ سب غلط لگا، مگر مجھے علم نہیں تھا کہ وہ چوری کر رہی ہے۔ وہ عورت موتی لے گئی۔ اب میں سمجھ رہی ہوں کہ وہ اور اس کا شوہر اور بچے اب ہمارے حصے کا تازہ مزے دار کھانا کھاتے ہوں گے۔''

''میں ان کو کچا کھا جاؤں گا۔'' کتا دانت کچکچاتے ہوئے بولا۔

''ہمیں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا ہوگا، جس سے وہ موتی واپس آجائیں۔ ہمیں انتقام اور بدلہ انسانوں کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ ہمارا کام نہیں ہے۔'' بلی اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''تمھارا کیا مشورہ ہے؟ میں ہر معاملے میں تمھارے ساتھ ہوں۔'' کتے نے پوچھا۔

''آؤ، جو کے گھر چلیں اور وہاں سے اپنے موتی واپس لے آئیں۔'' بلی نے رائے دی۔

''افسوس، میں بلی نہیں ہوں۔ اگر میں وہاں جاؤں تو اس گھر میں گھس نہیں سکتا۔ تمھاری طرح ہوتا تو کود کر دیوار پر چڑھ جاتا۔'' کتے نے افسردہ ہو کر کہا۔

بلی بولی: ''تم مجھے اپنی کمر پر سوار کر کے دریا پار کرو۔ ہم جب جو کے گھر پہنچ جائیں گے تو میں دیوار پر چڑھ کر باقی کام خود کرلوں گی۔ تم گھر کے باہر رہ کر میرا انتظار کرنا۔''

طے شدہ منصوبے کے مطابق دونوں اس رات اپنی مہم پر گھر سے نکل پڑے۔ انھوں نے دریا پار کیا۔ کتا مزے سے پانی میں تیر رہا تھا، مگر بلی پانی سے خوف زدہ تھی۔ آدھی رات کے قریب وہ جو کے گھر کے باہر پہنچ گئے۔

''یہیں میرا انتظار کرو۔'' بلی نے کتے کے کان میں سرگوشی کی، پھر وہ ایک ہلکے

سے جھٹکے کے ساتھ اُچھلی اور مٹی سے بنی دیوار کے اوپر پہنچ گئی۔ احتیاط سے آس پاس دیکھا اور پھر اسی طرح صحن کے اندر کود گئی۔ کچھ دیر اندھیرے میں دُبکی سوچتی رہی کہ اپنا کام کہاں سے شروع کرے۔ اچانک ایک سائے نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ خطرے کو محسوس کرتے ہی وہ سپرنگ کی طرح اُچھلی اور اگلے ہی لمحے اس سائے کو جا دبوچا۔ وہ ایک موٹا تازہ چوہا تھا، جو اس وقت اپنے بل سے نکلا تھا۔

بلی کئی دن کی بھوکی تھی اور اگر وہ چوہا اسی وقت بول نہ اُٹھتا تو اگلے ہی لمحے وہ بلی کے تیز دانتوں کا شکار ہو کر اس کے معدے میں اُتر جاتا۔

''اے بلی! رحم ...... خدا کے واسطے، مجھ پر رحم کرو۔ قیدیوں پر ظلم نہیں کرتے۔ مجھے معاف کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ بھاگوں گا نہیں۔''

''چوہے کی باتوں کا کیا اعتبار؟'' بلی نے جواب دیا۔

''مگر میرا اعتبار کرو۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمام عمر تمھارا غلام رہوں گا اور تمھاری ہر بات مانوں گا۔''

بلی کے منھ میں پانی بھر آیا تھا اور وہ چوہے کو ایک ہی نوالے میں نگل جانا چاہتی تھی، مگر رک گئی اور بولی: ''ٹھیک ہے، میں تمھارا اعتبار کرتی ہوں، مگر مجھے چند سوالوں کے جواب دو۔ پھر مجھے پتا چلے گا کہ تمھارا اعتبار کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ یہ بتاؤ، آج کل تمھارے مالک کیسا کھانا کھاتے ہیں؟ کیوں کہ تم بہت موٹے اور توانا لگ رہے ہو۔''

''میں بہت خوش قسمت ہوں، کیوں کہ اس گھر کے مالک موٹے تازے ہیں۔ لذیذ کھانا کھاتے ہیں اور ہمیں بھی کافی بچا کچا مل جاتا ہے۔'' چوہے نے بتایا۔

''مگر یہ تو بہت غریب لوگ ہیں۔ ان کا گھر بھی ٹوٹا پھوٹا ہے تو پھر ان کے پاس

اتنا اچھا کھانا کہاں سے آتا ہے؟'' بلی نے سوال کیا۔

''یہ ایک راز ہے، جو میں تمھیں نہیں بتاؤں گا۔ میری مالکن کے پاس پریوں کا تحفہ ہے۔''

''پریوں کا یہ تحفہ انھوں نے ہمارے گھر سے چُرایا ہے۔ میں ان کی آنکھیں نوچ لوں گی۔ انھوں نے موتی چُرا کر ہمیں فاقوں پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ لوگ دعوت پر ہمارے گھر آئے اور وہاں سے موتی چُرا لیے۔'' بلی غرائی۔

چوہا اس کی بات سُن کر حیران رہ گیا اور بولا: ''او...... تو یہ بات ہے۔ میں اکثر حیران ہوتا تھا کہ انھوں نے یہ سنہرے موتی کہاں سے حاصل کیے، مگر میں نے کبھی کھوج لگانے کی کوشش نہیں کی۔''

''اب میری بات غور سے سنو۔ تم یہ سنہری موتی واپس لا کر مجھے دو گے اور میں اس کے بدلے میں تمھیں آزاد کر دوں گی۔ کیا تم جانتے ہو، ان لوگوں نے وہ موتی کہاں چھپا رکھے ہیں؟'' بلی نے پوچھا۔

''ہاں، میں جانتا ہوں وہ موتی ٹوٹی دیوار میں بنی ایک تنگ دراڑ کے اندر ہیں۔ میں اگر وہ تمھیں لا دوں تو اس کے بعد ہم کیا کھائیں گے؟'' چوہا پریشان ہو کر بولا۔

''اب تم لوگ صرف اچھی خوراک کی یادوں پر گزارا کرو، کیوں کہ یہ موتی ان لوگوں کے نہیں، یہ انھوں نے چوری کیے ہیں۔ شاباش، اب جاؤ اور موتی لے کر آؤ۔ میں تمھارا یہیں انتظار کروں گی۔ شکر کرو، میں تمھاری جان بخشی کر رہی ہوں، اگر تم نے وعدہ خلافی کی تو میں پہلے تمھیں ہی کھاؤں گی۔'' بلی مسکرا کر بولی۔

پانچ منٹ بعد ہی وہ چوہا دوبارہ وہاں موجود تھا۔ اس کے منھ میں کپڑے کی ایک

تھیلی تھی، جس میں سنہرے موتی تھے۔ موتی اس نے بلی کے حوالے کر دیے۔ وہ بلی سے سخت خوف زدہ تھا، کیوں کہ اس نے اس کی کی سبز آنکھوں میں بھوک چمکتی دیکھی تھی اور وہ اپنا وعدہ توڑ بھی سکتی تھی، مگر بلی نے اپنا وعدہ پورا کیا اور چوہے کی جان بخش دی۔

کتا اور بلی واپس دریا کے کنارے پہنچے۔ اس وقت سورج دور پہاڑوں کے اوپر سے طلوع ہو رہا تھا۔ کتے نے بلی کو خبردار کرتے ہوئے کہا: ''محتاط رہنا۔ موتی تمھارے منھ میں ہیں اور وہ منھ کھولنے کے سبب دریا میں نہ گر جائیں۔ اس لیے جب تک ہم دوسرے کنارے پر نہ پہنچ جائیں، تم کوئی بات نہ کرنا۔''

''شکریہ، مگر مجھے تمھاری نصیحت کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں بھی سب سمجھتی ہوں۔'' بلی نے جواب دیا اور کتے کی پُشت پر سوار ہو گئی، مگر افسوس جب وہ دریا کے دوسرے کنارے سے تھوڑی ہی دور تھے، بلی خوشی کے مارے ساری احتیاط بھول گئی، کیوں کہ اسی وقت ایک مچھلی عین اس کے سامنے پانی میں سے اُچھلی۔ بلی بھوکی تو تھی ہی، اتنی موٹی تازی مچھلی دیکھ کر وہ مزید صبر نہ کر سکی اور بے تابی کے عالم میں اس نے مچھلی پر منھ مارا، تاکہ اس کو پکڑ سکے۔ موتی اس کے منھ سے اُچھل کر پانی میں جا گرے اور دریا کی تہ میں گُم ہو گئے۔ کتا غصے سے بپھر گیا اور چلّا کر بولا: ''میں نے تمھیں سمجھایا بھی تھا کہ محتاط رہنا، مگر تمھاری صرف ایک بے وقوفی اور لالچ کے ہاتھوں ساری محنت اکارت گئی۔''

اس کے بعد وہیں دونوں کے بیچ شدید جھگڑا شروع ہو گیا۔ مایوسی اور بے بسی کے عالم میں دونوں نے ایک دوسرے کو الزام دینا شروع کر دیا۔ دریا کے کنارے ایک مینڈک جو کافی دیر سے ان کا جھگڑا سن رہا تھا، اس نے دونوں کو پیش کش کی کہ اگر وہ آپس میں لڑنا بند کر دیں تو وہ دریا کی تہ سے ان کا گُم شدہ خزانہ تلاش کرنے میں ان کی مدد کر سکتا ہے۔ اس کی

بات سن کر دونوں خوش ہو گئے۔ مینڈک نے دریا میں غوطہ لگایا اور جلد ہی موتی ڈھونڈ کر نکال لایا۔ دونوں اس کا شکریہ ادا کرتے وہاں سے تیزی کے ساتھ گھر کی طرف بھاگے۔

جب وہ واپس گھر پہنچے تو دروازہ اندر سے بند تھا۔ کتا اونچی آواز میں بھونکنے لگا، مگر گھر کے اندر سے کسی نے جواب نہ دیا۔ جب کافی دیر گزر گئی تو بلی کہنے لگی:

''تم یہیں رکو، میں کسی طرح گھر کے اندر جاتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ اُچھلی اور دیوار میں بنے ایک روشن دان کے چھوٹے سے سوراخ کے راستے سمٹا کر گھر کے اندر کود گئی۔ یہ سوراخ اتنا چھوٹا سا تھا کہ کتا اس میں سے اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

گھر کے اندر وانگ کا بیٹا منگ لی نیم بے ہوشی کے عالم میں بستر پر پڑا تھا۔ بھوک کے مارے اس کی حالت بگڑ رہی تھی اور وہ مرنے کے قریب تھا۔ اس کی ماں قریب بیٹھی رو رہی تھی اور بے حد مایوس نظر آ رہی تھی۔ وہ شاید اس انتظار میں تھی کہ کوئی اس کی مدد کو آئے اور اس کے بیٹے کو بچا لے۔ بلی نے جلدی سے وہ موتی وانگ کے قریب زمین پر ڈال دیے۔

موتی دیکھ کر وانگ خوشی سے جھوم اُٹھی۔ اس نے بے اختیار بلی کو اپنے بازوؤں میں اُٹھا لیا اور اس کو پیار کرنے لگی۔

''اُٹھو...... کھانا کھا لو بیٹا! اُٹھو۔ خوش قسمتی لوٹ آئی ہے۔ ہم بھوک کے ہاتھوں مرنے سے بچ گئے ہیں۔'' وانگ اپنے بیٹے کو پکارنے لگی۔

جلد ہی کمرے کی فضا کھانے کی لذیذ مہک سے معطر ہو گئی۔ دونوں ماں بیٹا بلی کے صدقے واری جا رہے تھے اور اس کی تعریف کر رہے تھے۔ بلی کی پلیٹ بھی گوشت سے بھر گئی تھی، مگر خوشی کے اس عالم میں وہ اپنے اس وفادار کتے کو بالکل بھول گئے، جو

بند دروازے کے باہر بیٹھا کھانے کی سوندھی سوندھی خوشبو سونگھ رہا تھا۔ وہ بے بسی کے عالم میں دروازے کو اپنے پنجوں سے کھرچتا اور بھونکتا رہا، مگر کوئی اس کی آواز نہیں سن رہا تھا۔ سب کھانے میں مشغول تھے۔ بلی نے بھی اپنے دوست کو فراموش کر دیا تھا۔

جب سب پیٹ بھر کر کھا چکے تو بلی دوبارہ اسی سوراخ کے راستے باہر گلی میں آ گئی، جہاں کتا بھوکا اور مایوس بیٹھا تھا۔

''اوہ میرے پیارے دوست! کاش، تم دیکھتے کھانا کتنا لذیذ اور عمدہ تھا۔ مالکن نے میری کارکردگی سے خوش ہو کر مجھے پہلے سے زیادہ کھانا دیا۔ مجھے پتا ہے تم بھی بھوکے ہو، مگر اب تو کھانا ختم ہو گیا ہے۔ تم اس طرح کرو کہ گلی میں جاؤ اور کچرے سے ہڈیاں تلاش کر کے کھا لو۔ تم مجھ پر ناراض بھی تو بہت ہوتے ہو۔''

بلی کے اس رویے اور باتوں نے کتے کو غصہ دلا دیا۔ اُسے بہت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ غصے میں اُچھلا اور اگلے ہی لمحے بلی کو اپنے تیز دانتوں کی مدد سے اُدھیڑ کر رکھ دیا۔

جو دوسروں کی عزت نہیں کرتا اور دوستی کا خیال نہیں رکھا، وہ مرجاتا ہے۔

کتا افسردہ ہو کر سوچنے لگا۔ اس کو ساری بلیوں پر غصہ آ رہا تھا اور وہ ہر بلی کو مار دینا چاہتا تھا۔

اس دن کے بعد سے نہ صرف چین، بلکہ دنیا کے ہر کونے میں جہاں جہاں کتا اور بلی پائے جاتے ہیں، ان کے درمیان جنگ جاری ہے۔ ہر کتا ہر بلی کا دشمن بن گیا ہے۔ ہزاروں سال گزرنے کے باوجود بھی کتا، بلی کو دیکھتے ہی اپنی اس خفت کو مٹانے اور اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کی کوشش کرتا ہے، جب کہ بلی اپنی چالاکی اور دھوکا کو محسوس کرتے ہوئے وہاں سے دُم دبا کر بھاگ جاتی ہے۔

☆☆☆

زیورچ ایئرپورٹ کی چڑیا

محمود شام

یہ کہانی ہے، دنیا کے ایک بہت ہی خوب صورت ملک سوئٹزرلینڈ کے تجارتی مرکز زیورچ ایئرپورٹ پر رہنے والی ایک بہادر چڑیا کی۔

اب آپ پوچھیں گے، اگر پوچھیں گے نہیں تو سوچیں گے ضرور کہ میں کہیں بھی جاتا ہوں تو صرف چڑیوں ہی سے کہانیاں کیوں سنتا ہوں۔ آپ مجھے بتائیں کہ جانور تو وہاں سبھی ہوتے ہیں! شیر، ہاتھی، ریچھ، ہرن، گینڈے، بندر، مگر اسے کہتے ہیں چڑیا گھر۔

آپ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ آپس کی بات ہے کہ بچپن سے ہی چڑیوں سے دوستی رہی ہے۔ ملنے کو تو بہت پرندے ملتے ہیں۔ آسٹریلیا میں توتے، امریکا میں بگلے، ایران میں بلبلیں۔ دبئی میں باز، لیکن جو اپنا پن چڑیوں سے مل کر محسوس ہوتا ہے، ان بڑے بڑے پرندوں سے ملاقاتوں میں نہیں ہوتا۔ چڑیاں تو آپ کو ہر جگہ مل جاتی ہیں۔ ہوٹلوں میں، بس اڈوں پر، ریلوے اسٹیشن پر، ایئرپورٹ پر، کھیتوں میں۔ وہ تو آپ نے سنا ہوگا۔

اب پچھتائے کیا ہووت   جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

بات ہو رہی ہے زیورچ کی، جو سوئٹزرلینڈ میں ہے۔ آپ میں سے ممکن ہے، کچھ بچے یہاں گئے بھی ہوں گے۔ وہاں اتنے پہاڑ ہیں کہ کچھ نہ پوچھو اور اتنی جھیلیں کہ گنتے گنتے تھک جائیں۔ سردیوں میں ہر طرف برف ہی برف ہوتی ہے۔ وہ جب پگھلتی ہے تو جھیلیں میٹھے پانی سے بھر جاتی ہیں۔ اتنی بڑی بڑی دور دور تک پھیلی ہوئی جھیلیں کہ بہت سے سمندر بھی ان کے سامنے چھوٹے لگنے لگیں۔

کہانی تو مجھے آپ کو سنانی ہے زیورچ ایئرپورٹ کی رہنے والی چڑیا کی، لیکن میرا جی چاہ رہا ہے کہ اس سے پہلے میں آپ کو "یانگ فرا" لے چلوں۔ پہلے تو مجھے بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ کتنی حیرتوں بھری جگہ ہے۔

ہم زیورچ ایئرپورٹ پر اُترے۔ اب وہاں سے یانگ فرا کی طرف جا رہے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ میں ٹرینیں بھی بہت آرام دہ چلتی ہیں۔ بسوں سے بھی اچھا سفر ہوتا ہے،

مگر یہاں ایک الگ بات ہے کہ کشتیوں سے بھی فاصلے طے ہوتے ہیں۔ ایک اور اچھی بات یہ کہ آپ ایک ہفتے یعنی سات دن کے لیے ایک ٹکٹ خرید لیں۔ کافی رعایت ہوتی ہے۔ اس سے جہاں جی چاہے جائیں، ٹرین پر بھی ٹکٹ چلتا ہے۔ بس میں بھی اور کشتی پر بھی۔ یہ ہوئی نا مزے کی بات۔

پہلے تو تھی عام ٹرین، جو زیورچ سے ایک شہر ''انٹر کلاٹن'' لے گئی۔ اس چھوٹے سے شہر کی آبادی تو صرف پانچ ہزار ہے، مگر یہاں کے ہوٹلوں میں ہر روز آٹھ دس ہزار سے زیادہ سیاح موجود ہوتے ہیں، یعنی اس شہر کی اپنی آبادی سے کہیں زیادہ۔ کراچی کی آبادی ڈھائی کروڑ ہے وہاں اس سے زیادہ سیاح تو کبھی ہو ہی نہیں سکتے۔ اسی طرح لاہور کی آبادی ڈیڑھ کروڑ کے قریب ہوگئی ہے۔ یہاں بھی غیر ملکی سیاح اس سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتے۔

ہم میں یہ بُری عادت ہے کہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ آپ تو بُرا نہیں مان رہے ہیں نا!

''انٹر کلائن'' سے ٹرین ذرا چھوٹی ہوگئی ہے۔ اب ہم چڑھائی پر جا رہے ہیں۔ ایک نیا اسٹیشن آ گیا ہے۔ اب اس سے بھی چھوٹی ٹرین۔ بالکل ویسی، جیسی کراچی کے سفاری پارک میں یا بعض دوسرے چڑیا گھروں میں۔ اب ہم کئی ہزار فیٹ کی بلندی پر ہیں اور سرنگوں میں سے گزر رہے ہیں۔ یہاں بالکل اندھیرا ہو جاتا ہے۔ پھر کہیں کہیں پہاڑوں میں کھڑکیاں آ جاتی ہیں۔ جس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ہم دنیا سے بالکل نہیں کٹے ہیں۔

''یانگ فرا'' کو یورپ کی چھت بھی کہتے ہیں۔ سچ پوچھیں، میں تو بہت تھک گیا ہوں۔ بہت بڑا ہوٹل ہے۔ میں اپنی سانسیں درست کرنے کے لیے ایک صوفے پر بیٹھ گیا ہوں۔ ہر طرف پہاڑ ہیں۔ اونچے نیچے ہوٹل میں دیس دیس کے بچے اپنی ماؤں کے ساتھ ہیں۔ نوجوان بھی نظر آ رہے ہیں۔ بہت سے ''سکی انگ'' کا سامان لے کر پہاڑوں پر پھسلنے کے مزے لینے جا رہے ہیں۔

ہم پھر زیورچ ایئرپورٹ واپس چلتے ہیں۔ جب ہماری اس چڑیا سے ملاقات ہوئی، جس کی کہانی ہمیں سنانی ہے، اس وقت ہم بھی سوئٹزرلینڈ کی سیر کر کے واپس اپنے پاکستان آ رہے ہیں۔ پاکستان کے شمالی علاقے بھی سوئٹزرلینڈ سے کم نہیں۔ دونوں کی تصویریں ساتھ رکھ کر دیکھیں۔ پہچان نہیں سکتے کہ کون سا پاکستان ہے، کون سا سوئٹزرلینڈ۔

ہمارے ساتھ اور بھی لوگ ہیں، مگر میں ایک کونے میں بیٹھ گیا ہوں، جو کچھ دیکھا ہے، اسے یاد کر کے نکات لکھ رہا ہوں۔ نکات سے زیادہ آپ Points سمجھتے ہیں۔ چلیے یوں کہہ لیتے ہیں کہ میں ضروری پوائنٹ درج کرر ہا ہوں۔

ہر ایئر پورٹ پر شور بہت ہوتا ہے۔ زیورچ ایئر پورٹ پر تو ہر طرف سے ہوائی جہاز آ رہے ہوتے ہیں اور ہر طرف جا رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی وقت بھی خاموشی نہیں ہوتی۔ میرے سامنے بڑے بڑے ستون ہیں۔ ان کے درمیان خانے بنے ہیں۔ وہاں چڑیاں آپس میں باتیں کرر ہی ہیں۔

میں نے تو اپنے شہر میں دیکھا ہے کہ ذرا سا کوئی ہنگامہ ہو تو چڑیاں درختوں سے اُڑنے لگتی ہیں۔ کہیں کوئی گولی چلنے کی آواز آ جائے تو چڑیاں اُڑ پڑتی ہیں۔ ایسے شور سے وہ ڈر جاتی ہیں۔ اگر کوئی دھماکا ہو جائے تو اس وقت بھی گھروں سے، پیڑوں سے، منڈیروں سے چڑیاں اُڑ جاتی ہیں، مگر یہاں جمبو جیٹ طیارے اُتر رہے ہیں۔ پرواز کرر ہے ہیں۔ ایک بار تو پوری عمارت لرز جاتی ہے۔ دُنیا بھر کی بڑی بڑی ہوائی کمپنیاں بڑے سے بڑے جہاز لے کر چلتی ہیں۔ لمبے سفر ہیں، مسافر زیادہ۔ جتنا بڑا جہاز اتنا ہی شور، مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ چڑیاں تو بالکل نہیں گھبرا رہی ہیں۔ ایسے چہچہا رہی ہیں جیسے کسی گھر کے آنگن میں لگے پیڑ کی ٹہنیوں پر بیٹھی ہیں۔

وہ مجھے لکھتا بھی دیکھ رہی ہیں اور اپنی طرف حیرت سے تکتے ہوئے بھی۔ ایک چڑیا سے نہیں رہا گیا۔ پھدک کر میرے قریب آ بیٹھی اور پوچھا: ''مسافر! کہاں جا رہے ہو؟''

میں حیران ہوں کہ وہ جانے کا کیوں پوچھ رہی ہے۔

آپ یہ جاننا چاہیں گے کہ میں چڑیوں کی زبان کیسے سمجھ لیتا ہوں۔ مجھے چڑیوں کی کہانیاں لکھنی ہیں تو یہ زبان تو آنی چاہیے۔ جب بڑے ہو کر آپ بھی کہانیاں لکھیں گے تو یہ بات آپ کی سمجھ میں خود بخود آ جائے گی۔

میں چڑیا سے پوچھتا ہوں: ''تم یہ بھی تو پوچھ سکتی ہو کہ مسافر کہاں سے آ رہے ہو؟''

چڑیا ہنسنے لگتی ہے: ''مسافر! میں زیورچ ایئر پورٹ پر رہتی ہوں۔ مجھے پتا ہے کہ آمد کا لاؤنج کون سا ہے، روانگی کا کون سا۔''

میں لاجواب ہو جاتا ہوں، اپنی ہار مان لیتا ہوں اور کہتا ہوں: ''پاکستان جا رہا ہوں۔ تمھیں معلوم ہے، پاکستان کہاں ہے؟''

اس چڑیا کا کچھ نام رکھ لیتے ہیں۔ دوسری چڑیوں کے مقابلے میں اسے پہچاننے میں، اس کا ذکر کرنے میں آسانی رہے گی۔

کیا خیال ہے۔ سیبرینا کیسا رہے گا؟ اچھا گنگناتا نام ہے نا!

سیبرینا کہنے لگی: ''پاکستان میں نے دور سے دیکھا ہے۔''

میں حیران ہونے لگتا ہوں۔ تو وہ بتاتی ہے کہ ایسا اتفاقاً ہو گیا تھا۔ پاکستان جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں تھائی لینڈ چلی گئی تھی۔ بڑی مشکل سے واپس آئی۔

''سیبرینا! چڑیاں اتنی دور تک تو پرواز نہیں کر سکتیں۔ میرا مطلب ہے کہ اتنی لمبی اُڑان تو نہیں بھر سکتیں!''

''مسافر! میں خود تھوڑا اُڑ رہی تھی۔ ایک جہاز میں سوار تھی۔''

''یہ کہانی تو میں پھر سنوں گا، مگر یہ بتاؤ! تمھیں جہازوں کے شور سے ڈر کیوں نہیں لگتا؟ ہماری طرف تو چڑیاں کوئی دروازہ زور سے بج جائے تو لرز جاتی ہیں۔''

سیبرینا نے اپنے پَر پھڑ پھڑائے اور چونچ گھما کر کہنے لگی: ''بھولے مسافر! یہی تو فرق ہے گھریلو چڑیوں اور ایئرپورٹ کی چڑیوں میں۔ پہلے پہل میں جب یہاں آئی تو میں بھی شروع شروع میں کانپ جاتی تھی۔''

''میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم تو یہیں پیدا ہوئی ہو؟''

''نہیں مسافر! میں نے یہاں سے کچھ دور بے سل کے شہر میں آنکھ کھولی تھی۔''

''یہاں کیسے آنا ہوا؟''

''ایک دن ہم سہیلیوں میں شرط لگ گئی تھی کہ زیورچ کے بینکوں میں گھونسلے بناتے ہیں۔''

''بینکوں میں کیوں؟'' میں نے دل چسپی سے پوچھا۔

سیبرینا نے بتایا کہ بینکوں کی عمارتیں بہت بلند اور خوب صورت ہوتی ہیں۔ زیادہ تر تو کبوتر

وہاں رہتے ہیں، مگر ہمارے آنے کے بعد بہت سی چڑیوں نے بھی یہاں رہنا شروع کر دیا ہے۔

میری حیرت بھی بڑھ رہی تھی اور دل چسپی بھی۔ میں ذرا بے تکلف بھی ہو رہا تھا۔ بے تکلف کچھ مشکل لفظ ہے۔ تو انگریزی میں Free سمجھ لیں۔ میں فری ہو کر کہنے لگا: ''بینکوں میں تو صبح صبح بہت ہجوم ہو جاتا ہے، پھر وہاں پرندے کیسے رہتے ہیں؟''

سیبرینا کہنے لگی: ''یہی تو مزے کی بات ہے۔ جب چوکیدار صبح صبح بینک کے دروازے کھولتے ہیں تو ہم چہچہانے لگتی ہیں۔ پھر ایک گروہ کی شکل میں اُڑان بھرتی ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بینک ملازمین ہمیں اس طرح اڑتے دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ ایک مزے کی بات اور بتاؤں! اسکول جاتے بچے بینک کے سامنے رُک جاتے تھے کہ ہماری اُڑان دیکھ لیں۔''

میں بہت دل چسپی سے اس چڑیا کی داستان سن رہا ہوں۔ وہ کہہ رہی ہے: ''زیورچ کی مقامی حکومت نے دو بڑے بینکوں کی چڑیا اُڑان کو شہری سیاحت کا باقاعدہ حصہ بنالیا ہے۔ صبح صبح جاگنے والے سیاح گروپ کی شکل میں ان بینکوں کی عمارتوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب ہم اُڑان بھرنے کے لیے پَر تولتے ہیں تو کیمرے چلنا شروع ہو جاتے ہیں۔''

''زیورچ آنے کی تو یہ وجہ ہوگئی سیبرینا! مگر یہ ایئرپورٹ کیسے آنا ہوا؟''

''مسافر! سوال بہت اچھا ہے۔ تمھارا اخبار سے تو تعلق نہیں ہے؟''

''بات تو سچ ہے۔'' میں کہتا ہوں۔

''مگر بات ہے رُسوائی کی۔'' چڑیا نے مصرع مکمل کیا تو میں مزید حیران ہو گیا۔ میری آنکھوں میں حیرت دیکھ کر سیبرینا کہتی ہے: ''کیوں کیا ہوا! ہمیں شعروشاعری کا کیا ذوق نہیں ہو سکتا؟''

''اچھا سنو، میں ذرا مہم جو واقع ہوئی ہوں۔ نئی نئی چیزیں دیکھنے کا شوق ہے۔ نئی نئی حرکتیں کرنے کا۔ ایک جگہ جی نہیں لگتا۔ روز روز جھنڈ کی شکل میں اُڑنے سے تنگ آ گئی تھی۔ میری ایک اور سہیلی تھی۔ اس کی بھی کچھ ایسی ہی طبیعت تھی۔ ہم دونوں نے سوچا کہ یہاں سے کوچ کریں۔ اپنے گروپ سے الگ ہوئے تو اوپر ایک ہوائی جہاز نظر آیا۔ وہ نیچے اُتر رہا تھا۔ میں نے

سہیلی سے کہا کہ دیکھتے ہیں کہ یہ کیسے زمین پر اترتا ہے۔''

''ڈر نہیں لگا تھا سیبر ینا!''

''خوف آرہا تھا، مگر کچھ الگ کرنا تھا۔ اس لیے ڈر کو دبا کر ایئر پورٹ تک جہاز کا پیچھا کیا۔ ہم ایئر پورٹ عمارت کی ایک منڈیر پر بیٹھ گئیں کہ دیکھیں، یہ جہاز اُتر کر کہاں جاتا ہے۔ جہاز آکر ٹیوب سے لگ گیا۔ مسافر اُتر کر اندر جانے لگے۔ میری سہیلی نے کہا کہ چلو، اندر چل کر دیکھتے ہیں کہ یہ مسافر کہاں جاتے ہیں۔ یوں ہم ایئر پورٹ کی عمارت کے اندر پہنچ گئیں۔ یہاں تو بہت ہی رونق تھی۔ بھانت بھانت کی بولیاں۔ نگر نگر کے لوگ۔ ہم پھدک کر کبھی اِدھر جائیں، کبھی اُدھر۔ مسافروں کی باتیں سنتیں۔ کھانے کو بھی بہت مل رہا تھا۔''

''پھر تم دونوں نے یہیں ٹھکانا کر لیا؟'' میں سوال کی عادت سے مجبور ہو کر اس کی بات کاٹ بیٹھتا ہوں۔

''ایک تو تم اخبار والوں کو بات کاٹنے کی بہت عادت ہے۔ کھانے کو کیا مل رہا تھا، یہ بتانا ہے مجھے۔''

''معافی چاہتا ہوں۔''

''مجھے تو مزہ آتا ہے برگر کے چُورے کا۔ جانتے ہو یہ جو بن ہوتے ہیں، مسافر جب انھیں کھاتے ہیں تو ان کا چُورا گرتا ہے۔ تازہ تازہ اگر مل جائے تو لطف آتا ہے۔ یہاں ہر وقت ہی یہ چُوری مل جاتی ہے۔ جہاں کھانے کو اتنی اچھی چیز ملے، دنیا بھر سے آئے ہوئے مسافر دیکھنے کو ملیں۔ قسم قسم کے ہوائی جہاز۔ ہم دونوں ٹھیریں، بہت پُر لطف ہے یہ سب کچھ۔

ہماری فلائٹ کا اعلان ہو رہا ہے۔ ساتھیوں کی آواز آرہی ہے کہ چلیں بھئی، اناؤنسمنٹ ہو گئی ہے۔ میں سیبر ینا سے اجازت مانگ رہا ہوں۔

''شکریہ سیبر ینا! بہادر چڑیا! میں کراچی جا کر اپنے گھر میں رہنے والی چڑیوں کو بتاؤں گا کہ زیورچ ایئر پورٹ والی چڑیا کتنی دلیر تھی۔ اسے جہازوں سے ڈر نہیں لگتا۔''

''شکریہ مسافر! ان چڑیوں کو ہمارا اسلام پہنچا دینا۔ زندگی رہی تو پاکستانی چڑیوں سے ملنے آؤں گی۔''

☆☆☆

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

حمدِ باری تعالیٰ

شاعرہ : ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

انتخاب : پرویز حسین، کراچی

اے خدا میرے خدا! تُو خالقِ کون و مکاں
ذرّہ ذرّہ کر رہا ہے تیری قدرت کا بیاں
کون سی شے ہے جو ہو پوشیدہ تجھ سے اے خدا!
ہر جگہ تیری نظر ہے، ہر جگہ تُو ہے عیاں
ذہن میں جو بات آئی ہے، وہ چھپ سکتی نہیں
جانتا ہے تُو سبھی کچھ، کچھ نہیں تجھ سے نہاں
اے خدا نظروں کی چوری بھی پکڑ لیتا ہے تُو
ہم گناہگارِ شریعت بچ کے اب جائیں کہاں
بخش دیتا ہے، اگر توفیقِ توبہ ہو نصیب
تیری ہی رحمت تلے آباد ہے سارا جہاں

انمول موتی

مرسلہ : کنول طاہر محمود، نواب شاہ

☆ جن کے ارادے محنت کی سیاہی سے لکھے ہوتے ہیں، ان کی اچھی قسمت کے اوراق خالی نہیں ہوتے۔

☆ کوئی بھی آپ کو تب تک نہیں ہرا سکتا، جب تک آپ خود ہار نہ مان لیں۔

☆ جھوٹ بولنے میں یہ پریشانی ہے کہ سارے جھوٹ ایک ساتھ یاد رکھنے پڑتے ہیں۔

☆ اگر دنیا تمھاری صلاحیت پر شک کرے تو دکھی نہ ہونا، کیوں کہ سونے کی درستی پر ہی شک کیا جاتا ہے، لوہے کی نہیں۔

☆ عجیب بات ہے، آرام دہ زندگی کے لیے ہمیں اپنا آرام چھوڑ کر صبح صبح اُٹھنا پڑتا ہے۔

ورزش کے فائدے

مرسلہ : عائشہ نسیم، نارتھ کراچی

☸ عمر چاہے جو بھی ہو، صحت مند رہنے کے لیے باقاعدگی سے ورزش کرنا ضروری ہے، کیوں کہ ورزش کرنے سے:

☸ نیند اچھی آتی ہے۔

☸ جسم لچک دار رہتا ہے۔

❁ ہڈیاں اور پٹھے مضبوط رہتے ہیں۔

❁ وزن کم ہوتا ہے یا مناسب رہتا ہے۔

❁ ڈپریشن ہونے کا امکان کم رہتا ہے۔

❁ بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت پیدا ہوتی ہے۔

❁ نظام انہضام بہتر ہوتا ہے۔

اُٹھ باندھ کمر

شاعر : مولانا ظفر علی خاں

پسند : انصر علی، وہاڑی

اللہ کا جو دَم بھرتا ہے
وہ گرنے پر بھی اُبھرتا ہے
جو آدمی ہمت کرتا ہے
ہر بگڑا کام سنورتا ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

او مسلم! کیوں دل گیر ہے تُو
کیوں غم کی بنا تصویر ہے تُو
اغیار ہیں خاک ، اکسیر ہے تُو
تدبیر ہیں وہ ، تقدیر ہے تُو
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

ہے رہنما قرآن تیرا
اسلام پہ ہے ایمان تیرا
پیغمبرؐ ہے ذی شان تیرا
دل جس پہ ہو قربان تیرا
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

تُو علم کی دولت لایا ہے
تہذیب سکھانے آیا ہے
تُو جب سے جہاں پر چھایا ہے
دنیا کی پلٹ گئی کایا ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

نقارہ بجا پھر شوکت کا
نظارہ دکھا پھر حکمت کا
چھلکا دے پیالہ اخوت کا
چمکا دے ستارہ شریعت کا
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

قیمتی باتیں

مرسلہ : حلیمہ صابر، ہری پور

❁ نیت کتنی بھی اچھی ہو، دنیا تمھیں تمھارے دکھاوے سے جانتی ہے اور دکھاوا کتنا بھی اچھا ہو، اللہ تمھیں تمھاری نیت سے جانتا ہے۔

❁ قرآن پڑھو تو دل بدل جائے، نماز پڑھو تو چہرے پر نور آ جائے، رسولِ خداؐ کی سنتوں پر عمل کرو تو زندگی سنور جائے۔

❁ زندگی کو ضرورت کے مطابق بسر کرو، خواہشات میں نہ اُلجھو۔ ضرورت تو فقیروں کی بھی پوری ہوتی ہے، لیکن خواہشیں بادشاہوں کی بھی ادھوری رہ جاتی ہیں۔

❁ کسی کی مدد کرتے وقت اس کے چہرے کو مت دیکھو، ہو سکتا ہے کہ اس کی جھکی ہوئی آنکھیں تمھارے دل میں غرور کا بیج بو دیں۔

ڈاکٹر نسخے

مرسلہ : محمد عمر بن عبدالرشید، کراچی

ڈاکٹر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے پڑھنا صرف نرسوں اور دوا فروشوں ہی کا کام ہے۔ اس کے متعلق ایک صاحب نے بہت دل چسپ کہانی سنائی:

"میرے والد صاحب نے ایک ڈاکٹر صاحب سے نسخہ لکھوایا۔ دوا فروش سے دوا لینے کے بعد انھوں نے نسخہ بھی واپس لے لیا۔ اس نسخے کو انھوں نے دو سال تک بہ طور ریلوے پاس استعمال کیا۔ اس نسخے کی بدولت وہ ایسی محفلوں میں شریک ہوئے جہاں کسی وزیر کی سفارش کے بغیر جانا ممکن نہ تھا۔ اس نسخے کو بہ طور سفارشی رقعہ استعمال کر کے انھوں نے بڑے بڑے افسروں سے کئی کام نکلوائے۔ آخر انھوں نے یہ نسخہ اپنے پوتے یعنی میرے بیٹے کو دیا، جو گزشتہ دو ماہ سے اس کو سامنے رکھ کر پیانو پر موسیقی کی مشق کر رہا ہے۔"

پریشانی کی حقیقت

مرسلہ : عدن رشید، ہری پور

ایک بین الاقوامی یونی ورسٹی نے لوگوں کی پریشانی سے متعلق دل چسپ اعداد و شمار شائع کیے ہیں۔ نتائج درجِ ذیل ہیں:

❁ وہ پریشانیاں جن کا صرف خدشہ ہوتا ہے، لیکن پیش نہیں آتیں، عموماً چالیس

ماؤزے تنگ

عبدالستار ہاشمی

جدید چین کے بانی ''ماؤزے تنگ'' کا ایک ہی بیٹا تھا۔ کوریا کے ساتھ ہونے والی جنگ میں اپنے اس اکلوتے بیٹے کو سب سے پہلے جنگ پر روانہ کر دیا۔ جب اس کی لاش واپس آئی تو کہا: ''اس جنگ میں ایک میرا ہی بیٹا کام نہیں آیا، بے شمار والدین اپنے اپنے بچوں کی لاشیں وصول کر رہے ہیں۔ پہلے ان کا غم ہے پھر میرا، میں پہلے ان کے آنسو پونچھ لوں۔'' یہ تھی برداشت، جس نے چین جیسے ملک کو ایک قوم بنا دیا۔

ماؤزے تنگ انگریزی زبان پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ اتنی انگریزی کتابیں پڑھ رکھی تھیں، جتنی انگریز ادیبوں نے بھی نہیں پڑھی ہوں گی۔ یورپ میں شائع ہونے والی ہر انگریزی کتاب خاص طور پر منگوا کر پڑھتے تھے۔ جب رچرڈ نکسن چین کے دورے پر آئے تو ماؤزے تنگ نے انھیں، ان کی لکھی ہوئی ساری کتابیں دکھائیں۔ رچرڈ نکسن بہت حیران ہوئے۔ انھیں یہ تک معلوم نہیں تھا کہ ماؤزے تنگ انگریزی بھی جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ نکسن کے لیے یہ بھی حیرانی کا باعث تھا کہ ماؤزے تنگ انگریزی جاننے کے باوجود اس کے ساتھ مترجم کے ذریعے سے بات کر رہے تھے۔

ماؤزے تنگ نے اپنی زندگی میں کبھی کسی کے سامنے انگریزی کا ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا تھا۔ اس کی وجہ وہ یہ بتاتے تھے کہ بات یہ ہے، میں چین اور چینی زبان سے محبت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

بہت کرتا ہوں دوسری بات کہ میں دنیا کو یہ بتایا چاہتا ہوں کہ چین کوئی گونگا نہیں ہے۔ چین کی ایک زبان ہے، جس کو ہم سے بات کرنی ہے یا ہماری بات سمجھنی ہے، وہ ہماری زبان سیکھے۔
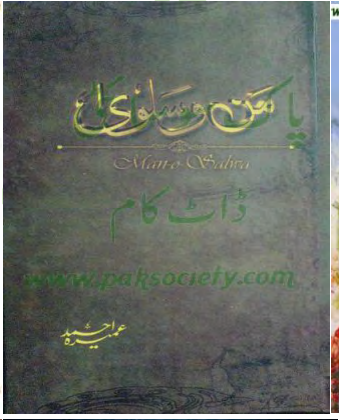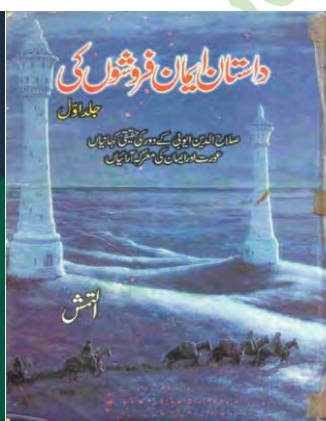
ماؤزے تنگ کو جب کبھی انگریزی زبان میں کوئی لطیفہ سنایا جاتا تو ان کے چہرے کے تاثرات اوران کی آنکھوں کے رنگ میں ذرہ بھر بھی کمی یا زیادتی نہیں ہوتی تھی، حال آں کہ وہ انگریزی کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے، مگر جب اسی لطیفے کا چینی زبان میں ترجمہ کیا جاتا تو ماؤزے تنگ کھلکھلا کر ہنستے اور ان کا قہقہہ سب سے اونچا ہوتا۔ یہ تھی ان کی اپنی زبان سے محبت۔

ماؤزے تنگ کی ایک اور بھی خوبی تھی کہ انھوں نے اپنی زندگی میں کسی بھی دوسرے ملک کا دورہ نہیں کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں چینی لیڈر رہوں اور چین میں ہی رہوں گا، اسی وجہ سے چواین لائی ان کی جگہ دوسرے ملکوں کے دورے کیا کرتے تھے۔ ☆

بعض ایسے نونہال جو برسوں سے ہمدرد نونہال پڑھ رہے ہیں۔ شمارے پر تبصرہ کرنے کے بجائے ایسے عمومی سوالات کرتے ہیں جن کے جوابات کئی مرتبہ دیے جا چکے ہیں۔ ہم ہر مہینے ''آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپتی ؟'' کے عنوان سے ہر شمارے میں نوٹ لگاتے ہیں، جن میں ایسے تمام سوالوں کے جواب موجود ہوتے ہیں۔ انھیں غور سے پڑھیے اور آدھی ملاقات میں صرف تحریروں کی پسند ناپسند کے بارے میں لکھیے۔ شکریہ

حیرت افزا

ظفر شمیم

خوف ناک بحری حادثہ

دنیا کی تاریخ کا سب سے بڑا بحری حادثہ ٹائی ٹے نِک نہیں ہے۔ ٹائی ٹے نِک کے ڈوبنے سے ۱۵۰۰ - افراد کی ہلاکت ہوئی تھی، جب کہ دوسری جنگِ عظیم میں جرمنی کے فوجی بحری جہاز ولیم گسٹلوف مہاجرین اور فوجی اہلکاروں کی بڑی تعداد کے ساتھ بحرِ ظلمات (بحرِ اوقیانوس) میں رواں دواں تھا کہ روس نے تارپیڈو مار کر جہاز غرق کر دیا۔ اس کی خوف ناک تباہی میں ۷۵۰۰ جرمن باشندوں اور فوجیوں کی ہلاکت ہوئی تھی۔ یہ تخیلاتی خاکہ جرمن مصور نے اسی وقت کی یادگار کے طور پر بنایا ہے۔

زمین جیسا سیارہ

زمین سے قریب ترین ستارہ پروکسیما سنچاوُر 24.4 ملین میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کے اردگرد ہماری زمین سے ملتے جلتے ایک سیارے کی دریافت ہوئی ہے، جسے ستارے کی مناسبت سے پروکسیما بی کا نام دیا گیا

ہے۔اس کا اپنے سورج سے فاصلہ عین اتنا ہی ہے جتنا کہ ہماری زمین کا اپنے سورج سے۔ یعنی اس سیارے کا درجہ حرارت فاصلے کی نوعیت کے مطابق ہماری زمین جتنا ہی ہے۔

ہوٹل فلسطین
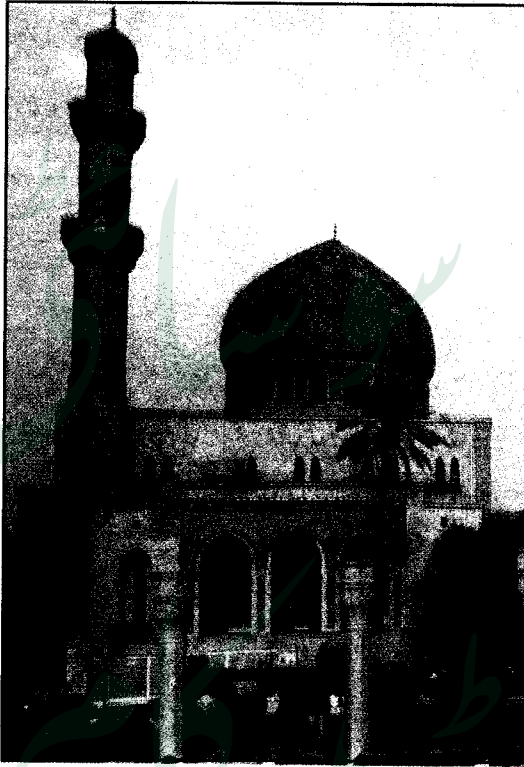
یہ مسجد نہیں ہے، بلکہ بغداد شہر کے مرکزی چوک پر واقع ہوٹل فلسطین ہے۔ یہ جدید ہوٹل فنِ تعمیر کا نادر نمونہ ہے، جس نے انسانی کاری گری میں ۸۰۰ سالوں کا فرق مٹا دیا ہے۔اس نوعیت کے ڈیزائن عباسی دور کی عکاسی کرتے ہیں اور وہ اسلامی تاریخ کا شانِ دار دور تھا، مگر اس دور کے آٹھ سو سال کے بعد بالکل ویسے ہی ڈیزائن کی تعمیر ماہرین کو حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ یہ یادگار عمارت الفردوس چوک پر واقع ہے۔

☆☆☆

نونہال خبر نامہ

سلیم فرخی
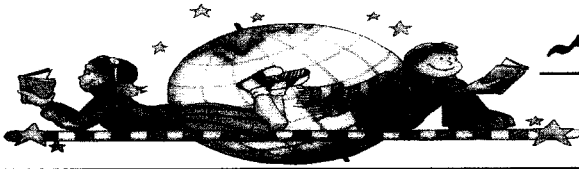
۴۷ مرتبہ فیل

بھارتی ریاست راجستھان کا ۸۲ سالہ بوڑھا شخص شیو چرن مسلسل ۴۷ سال سے میٹرک کے امتحان میں فیل ہو رہا ہے، لیکن اس نے اب تک ہمت نہیں ہاری۔ شیو چرن نے عہد کیا تھا کہ وہ جب تک میٹرک کا امتحان پاس نہ کر لے، تب تک شادی نہیں کرے گا۔ وہ اب تک ۴۷ مرتبہ میٹرک کا امتحان دے چکا ہے، لیکن ہر بار ناکام رہا، اس طرح اس کی عمر ۸۲ برس تک جا پہنچی ہے۔ شیو چرن کا کہنا ہے کہ جب تک وہ زندہ ہے، اس وقت تک امتحان دیتا رہے گا۔

چھپی رستم

آپ نے اکثر نوجوانوں کو موٹر سائیکل چلاتے ہوئے دیکھا ہی ہوگا، لیکن چین میں تو ننھے بچے بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ چین کے صوبے ہینان کے شہر ہیکو کی چار سالہ بچی اتنی سی عمر میں بڑے بڑے کام کرنا چاہتی ہے۔ وہ مزے سے شہر کی سڑکوں پر موٹر سائیکل بھی دوڑا رہی ہے۔ بچی کے والد پیچھے بیٹھے مزے سے لطف اُٹھا رہے تھے۔ ننھی بچی کو موٹر سائیکل چلاتے دیکھ کر جہاں کچھ لوگ حیران رہ گئے، وہیں کئی افراد نے والد کی اس بے پروائی کو ٹوکا بھی ہے۔

جسم کے ساتھ بڑھتا لباس

والدین بچوں کے لیے ہر چند ماہ بعد کپڑوں کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں۔ ایک جانب تو اس میں وقت ضائع ہوتا ہے تو دوسری جانب مہنگے کپڑے خریدنا بھی آسان نہیں۔ اب ''پیٹٹ پلی'' نامی ایک کمپنی نے ایسا لباس بنایا ہے، جسے ایک مرتبہ خریدنے کے بعد دو سال تک بچوں کے لیے دوسرا لباس خریدنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ کمپنی کا کہنا ہے کہ پیدائش کے دو سال تک بچے تیزی سے جسامت بڑھاتے ہیں اور ان کے لیے بار بار کپڑے خریدنے پڑتے ہیں۔ انھوں نے جو لباس بنایا ہے، وہ ۴ سے ۳۶ ماہ تک کے بچوں کے لیے بہترین ہے۔ یہ لباس بچے کے جسم کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہتا ہے۔ کمپنی کے سربراہ ''ریان ماریو یاسین'' نے کہا ہے کہ ان کا تیار کردہ لباس پائیدار اور بار بار دھونے کے قابل ہے۔ اس لباس کے اندر خاص لچک دار میٹریل شامل کیا گیا ہے۔ جب اسے کھینچا جاتا ہے تو کپڑا پتلا ہونے کے بجائے موٹا ہو جاتا ہے۔ ☆

جاوید اقبال

شہر سے کچھ دور جنگل میں ہم دوستوں کا لکڑی سے بنا ایک ہٹ ہے۔ جب ہم شہر کے ہنگاموں سے اُکتا جاتے ہیں تو سال میں ایک دو مرتبہ کچھ دن کے لیے وہاں چلے جاتے ہیں۔ پھر جنگل میں خوب گھومتے اور شکار کرتے ہیں۔ جب ہمارا وہاں جانے کا پروگرام بنتا تو دوستوں میں سے کوئی ایک دن پہلے وہاں چلا جاتا، تاکہ ہٹ کی صفائی اور سال بھر میں اُگ جانے والی گھاس کاٹ کر ہٹ کو رہنے کے قابل بنا دے۔

اس بار پہلے جانے کی باری میری تھی۔ چناں چہ مین ایک دن پہلے وہاں پہنچ گیا۔ ہٹ کے باہر کئی فیٹ اونچی گھاس اُگ آئی تھی۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر بھی وہی عالم تھا۔ قدِ آدم گھاس اور مٹی سے اَٹے در و دیوار بھوت بنگلے کا منظر پیش

کر رہے تھے۔ میں اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں بھی لایا تھا۔ یہ چیزیں میں نے باورچی خانے میں رکھ دیں، ہر چیز پہ گرد کی تہ جم گئی تھی۔ میں کمر کس کر صفائی میں جُت گیا۔ پہلے کمرے کی، پھر باتھ روم اور کچن کی صفائی کی شام تک میں تھک کر چُور ہو گیا۔ پھر نہا کر سونے کے لیے لیٹ گیا۔ چند لمحوں میں ہی میں نیند کی پُرسکون وادی میں پہنچ گیا۔

نہ جانے میں کتنی دیر اور سوتا کہ شور سے آنکھ کھل گئی۔ باہر اچھا خاصا دن نکل آیا تھا۔ میں جلدی سے باہر نکلا۔ باہر ایک جنگلی کتا کھانے کے سامان کے تھیلے سے چیزیں نکالنے کی کوشش کرتا نظر آیا۔ شاید میں رات کو باہر کا دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا۔

جنگلی کتے کو دیکھ کر میں چونک پڑا، کیوں کہ جنگل میں جن لوگوں کا جنگلی کتوں سے واسطہ پڑا ہو، وہ جانتے ہیں کہ یہ کس قدر خوں خوار اور ضدی جانور ہے۔ جنگل میں چھوٹے موٹے جانور تو کیا، یہ شیر اور چیتے جیسے طاقت ور جانوروں سے بھی مقابلے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور یوں جم کر لڑتے ہیں کہ شیر اور چیتا بھاگنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

میں نے کتے کو ڈرانے کے لیے زور سے ہُش کیا، مگر وہ ٹَس سے مَس نہ ہوا۔ میں نے کونے میں پڑی درخت کی ایک موٹی شاخ اُٹھالی اور اسے لاٹھی کی طرح زور سے ہوا میں گھمایا۔ کتے نے تھیلے کو چھوڑ کر میری طرف دیکھا اور غرایا۔ جیسے دھمکی دے رہا ہو کہ خبردار! جو مجھ پر وار کیا۔ اس کی اس دیدہ دلیری پر میں اسے سبق سکھانے کے لیے آگے بڑھا۔ اچانک مجھے اپنے پیچھے بھی غراہٹ سنائی دی۔ پلٹ کے دیکھا تو ایک اور کتا مجھ پر جھپٹ رہا تھا۔ میں نے گھوم کر لاٹھی کا وار اس کے سر پر کیا۔ چوٹ کھا کر وہ پیچھے ہٹا تو پہلے والے کتے نے اُچھل کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں پھرتی سے ایک طرف ہٹا، مگر کتے کا نوکیلا پنجہ میرے بائیں گال کی کھال اُدھیڑتا چلا گیا۔ میرے منھ سے درد بھری سسکاری نکلی۔

اتنے میں دو مزید کتے جھاڑیوں سے نکل آئے۔ اب وہ چار ہو گئے تھے اور میں چاروں طرف سے ان میں گھر گیا تھا۔ خود کو کتوں کے گھیرے میں دیکھ کر میں زمین پر بیٹھ گیا اور لاٹھی سر سے اوپر دائرے میں گھمانے لگا۔ کتے حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھتے، مگر چوٹ کھا کر پیچھے ہٹ جاتے۔ لاٹھی گھماتے گھماتے میرے ہاتھ شل ہو گئے، لیکن کتے ٹلنے کا نام نہ لے رہے تھے۔ پھر اچانک لاٹھی میرے ہاتھوں سے چھوٹ کر دور جا گری۔ مجھے نہتا دیکھ کر کتے ایک دم میری طرف لپکے۔ میں نے بھاگ کر کمرے میں پناہ لینا چاہی۔ جیسے ہی میں کمرے کی طرف بھاگا، ایک کتے نے لپک کر میری پنڈلی میں اپنے دانت گاڑ دیے۔ دوسرے نے اُچھل کر میرا بازو اپنے جبڑے میں دبوچ لیا۔ میرے منھ سے چیخ نکل گئی۔ میں نے اپنے جوتے سے ایک کتے کو زوردار ٹھوکر لگائی، ہاتھ جھٹک کر دوسرے سے چھڑایا اور کمرے کی طرف بھاگا، مگر ایک اور کتے نے میری ٹانگ دانتوں میں دبوچ کر مجھے پیچھے کھینچ لیا۔ دوسرا ہوا میں اُچھلا اور زور سے مجھ سے آٹکرایا۔ میں لڑکھڑا کر گرا۔ میری آنکھوں کے سامنے شرارے سے ناچے اور پھر میرا ذہن گہری تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو اسپتال میں بستر پر لیٹے پایا۔ میرا پورا جسم پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا۔ میرے دوستوں نے بتایا کہ جب وہ وہاں پہنچے تو کتے مجھے گھسیٹ کر جنگل کی طرف لے جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ جھڑپ میں تین کتے مارے گئے، چوتھا اپنے ساتھیوں کا حشر دیکھ کر بھاگ نکلا۔

ڈاکٹروں کی جان توڑ کوششوں سے میری جان تو بچ گئی، مگر مجھے تین مہینے اسپتال میں رہنا پڑا۔ جب بھی مجھے وہ خوف ناک منظر یاد آتا ہے کہ تو خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ☆

بلاعنوان انعامی کہانی

حسن عادل

آج انور صاحب زندگی میں تیسری بار اکیلے ہوگئے تھے۔ پہلی بار اس وقت جب ان کی بیوی کا انتقال ہوا تھا، دوسری بار ان کا بیٹا ناصر پڑھائی کی غرض سے امریکا چلا گیا تھا اور وہیں کا ہوکر رہ گیا تھا۔

آج ان کی پالتو بلی مرگئی تھی۔

شانی بلی تب سے ان کے پاس تھی جب وہ بہت چھوٹی تھی اور سردی کی ایک رات گھر میں گھس آئی تھی۔ انور صاحب اسے اُٹھا کر اپنے کمرے میں لے آئے تھے۔ اسے ہیٹر کی تپش دی تو اس کی جان بچ گئی، ورنہ سردی سے ٹھٹھر کر مرچکی ہوتی۔ پھر شانی بلی بھی اس گھر کا فرد بن گئی تھی۔

انور صاحب کا گھر پہاڑی علاقے میں تھا۔ یہاں اور گھر تھے، جو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تھے۔ بہت پُرسکون اور سرسبز علاقہ تھا۔ وہاں کے لوگ ملازمت پیشہ بھی تھے اور اپنی زمینوں پر بعض افراد کاشت کاری کیا کرتے تھے۔ انور صاحب نے ساری زندگی سرکاری ملازمت کی تھی۔ ان کے پاس زمینیں بھی تھیں۔ اچھی گزر بسر ہورہی تھی۔ جب ان کا بیٹا ناصر بڑا ہوا تو اسے زمینیں بیچ کر اعلا تعلیم کے لیے امریکا بھیج دیا۔

کئی سال گزرنے کے باوجود ناصر نہیں آیا، فون پر اسے سے رابطہ رہتا تھا۔ وہ پابندی سے اچھی رقم بھی بھجوادیتا تھا۔ اس لیے انور صاحب کو اخراجات کی طرف سے فکر نہ تھی۔ بس وہ اکثر ناصر سے فون پر یہی کہتے تھے کہ بیٹا! اب واپس آجاؤ۔ میں یہاں اکیلا رہ گیا ہوں۔

ناصر جواب دیتا: ''بابا! میں یہاں بہت اچھی ملازمت کررہا ہوں۔ کیسے چھوڑ کر آجاؤں...... آپ کو میں پیسے بھجوا تو دیتا ہوں۔ پھر آپ کو کس بات کی فکر ہے؟''

''تمھاری فکر رہتی ہے بیٹا!'' وہ بولتے۔

''میری پروا نہ کریں، میرا بھی دل چاہتا ہے آنے کو، مگر بابا! مجھے اپنا مستقبل بھی تو دیکھنا ہے۔'' ناصر مجبوری کا اظہار کرتا۔

''اچھا بیٹا! جیسی تمھاری مرضی......'' انور صاحب مایوس ہو کر کہتے: ''اللہ تمھیں ہر جگہ خوش رکھے۔''

اگر شانی بلی نہ ہوتی تو انور صاحب مزید تنہائی محسوس کرتے، لیکن بلی کے ساتھ ان کا اچھا وقت گزر جاتا تھا۔ بلی بھی ان سے بہت لگاؤ رکھتی تھی۔ وہ ان کے اشارے اور باتیں سمجھتی تھی۔ انور صاحب ٹی وی دیکھتے تو بلی کو پاس بٹھا لیتے تھے۔ بلی کو جانوروں والی فلمیں پسند تھیں۔ خاص طور پر اگر ٹی وی میں کسی بلی کو دکھایا جاتا تو شانی بلی ٹی وی اسکرین کے پاس جا کر کھڑی ہو جاتی تھی۔

آج شانی بلی کا آخری دن تھا۔ وہ مر گئی۔ اس نے اپنی عمر پوری کر لی تھی۔ انور صاحب نے گھر کے پاس ایک درخت کے نیچے اس کی قبر بنائی تھی اور بہت دیر تک وہاں کھڑے ہو کر شانی بلی کو یاد کرتے رہے تھے۔ پھر ایک ٹھنڈی آہ بھر کر واپس آ گئے۔

بہت عرصے بعد انھیں اپنا گھر خالی خالی محسوس ہو رہا تھا۔ اب ان کے دن اکیلے پن میں گزرنے لگے تھے۔

ایک دن بڑی بین الاقوامی فضائی ڈاک کمپنی سے انھیں ایک بڑا پارسل موصول ہوا، جو ان کے بیٹے ناصر نے باہر سے بھیجا تھا۔

انھوں نے ڈبا اُٹھایا۔ خاصا وزنی تھا، لیکن کسی نہ کسی طرح وہ ڈبا اندر لے آئے۔ ذرا سی محنت سے ان کی سانس پھول گئی تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھ کر ہانپنے لگے۔ وہ

تھک کر سوفے پر ہی سو گئے۔

نیند سے بیدار ہو کر جب انھوں نے ڈبا کھول کر اندر دیکھا تو حیران رہ گئے۔ وہ ایک روبوٹ تھا۔

اگر انھوں نے ٹی وی پر روبوٹ نہ دیکھا ہوتا تو انھیں پتا نہ چلتا کہ یہ کیا ہے۔ انور صاحب نے جلدی جلدی ڈبا الگ کیا اور روبوٹ کو نکال لیا۔ وہ بڑا معصوم شکل کا پیارا سا روبوٹ تھا۔ جیسے کوئی چار یا پانچ سال کا بچہ۔ پھر انور صاحب کو ڈبے سے ایک چھوٹا سا بکس بھی ملا۔ انھوں نے وہ بکس کھول کر دیکھا۔ اس میں چند بیٹریاں رکھی تھیں۔

''اچھا تو یہ بیٹری سے چلتا ہے۔'' انھوں نے سر ہلا کر کہا۔

پھر انور صاحب نے روبوٹ کا جائزہ لیا۔ اس کے سینے پر انھیں ایک سرخ بٹن دکھائی دیا۔ انھوں نے بٹن دبایا تو سینے کا وہ حصہ کھل گیا۔ اندر بیٹری لگانے کی جگہ تھی۔ انھوں نے بیٹری لگا کر خانہ بند کر دیا۔

بیٹری لگتے ہی روبوٹ میں حرکت ہونے لگی۔ اس کی بڑے بڑے بٹن جیسے سبز آنکھیں جل اُٹھیں۔ ہاتھ اور گردن ہلنے لگیں۔ پھر گردن گھومی اور وہ انور صاحب کو دیکھنے لگا۔

انور صاحب روبوٹ کی حرکت کرتے دیکھ کر پہلے حیران اور پھر خوش ہو گئے۔ ان کے لیے یہ ایک دل چسپ منظر تھا۔

''واہ بھئی...... کیا تم بولتے بھی ہو؟'' انور صاحب نے اس سے پوچھا۔ روبوٹ کے منھ سے عجیب مشینی سی آواز نکلی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے کمرے میں چلنے لگا۔

''یہاں آؤ...... میرے پاس۔'' انور صاحب نے آواز دی۔ روبوٹ چلتے چلتے مڑا اور انھیں دیکھنے لگا۔ انور صاحب خوش ہو گئے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ آواز کی جانب توجہ کرتا تھا۔

روبوٹ کیا آ گیا، انور صاحب کی زندگی میں خوشیاں لوٹ آئی تھیں۔ شانی بلی کی کمی پوری ہوگئی تھی۔ روبوٹ بڑی خصوصیات کا حامل تھا۔ اس کے مشینی دماغ میں بہت سی باتیں بھری گئی تھیں، وہ کوئی بھی چیز اُٹھا کر لا سکتا تھا۔ کھیل سکتا تھا۔ دوڑنے کا ماہر تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کام کر سکتا تھا۔

انور صاحب کو کچھ ہی دنوں میں اس سے بڑا لگاؤ ہو گیا تھا۔ انھیں ایسا لگتا تھا جیسے ان کا بیٹا ناصر چھوٹا ہو کر ان کے پاس آ گیا ہے۔ انھوں نے روبوٹ کا نام بلی کے نام پر ہی شانی رکھ دیا تھا۔ یہ نام ان کی زبان پر چڑھا ہوا تھا۔ انور صاحب نے شانی روبوٹ کا ٹھکانا اپنے بیڈ کے ساتھ ہی مقرر کر دیا تھا۔ شانی ان کے چھوٹے موٹے کام کر دیتا تھا۔ وہ چائے پی کر شانی کے ہاتھ کپ پکڑا دیتے تو وہ اسے رکھ کر آ جاتا تھا۔ وہ کپڑے سے فرنیچر اور دوسری چیزیں صاف کر دیتا تھا۔ انور صاحب جب بھی کچھ کھاتے پیتے تو شانی ان کی طرف دیکھنے لگا تھا، جیسے اسے حیرت ہو رہی ہو۔ انور صاحب اسے ہی مذاق میں اس کے منھ میں روٹی کا ٹکڑا ڈال دیتے اور پھر ہنسنے لگتے تھے۔ شانی ان کے انداز میں منھ چلانے کی نقل کرتا تھا۔

رات میں جب انور صاحب ٹی وی دیکھنے لگتے تو شانی روبوٹ ٹی وی کے آگے بیٹھ جاتا تھا۔ وہ پیر پھیلا کر کسی بچے کے انداز میں بیٹھتا تھا۔ انور صاحب جانتے تھے کہ وہ محض ایک مشین ہے اور مشین کی خود کوئی سوچ نہیں ہوتی اور نہ جذبات ہوتے ہیں۔ جیسے کمپیوٹر بھی صرف وہی کر سکتا ہے، جو پروگرامز اس میں ڈالے گئے ہیں۔ شانی روبوٹ بھی ایسا ہی تھا۔

ایک بار انور صاحب نے ٹی وی پر کارٹون لگا دیے۔ اس میں شانی جیسا روبوٹ دکھایا جا رہا تھا، جو خوب شرارتیں کر رہا تھا۔ تب انور صاحب کو یہ دیکھ کر شدید حیرانی ہوئی کہ شانی کارٹون روبوٹ کو دیکھ کر اُٹھا اور ٹی وی کی اسکرین پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگا۔

انور صاحب کو یوں محسوس ہوا کہ شانی خوش ہو رہا ہے۔

''یہ میرا وہم ہے۔ بھلا ایک مشین کیسے خوش ہو کر اپنے جذبات کا اظہار کر سکتی ہے۔'' انور صاحب نے سوچا۔ اب تک انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ اس مشین میں نقل کرنے کا پروگرام بھی ڈالا گیا ہے۔ شانی وہ حرکتیں کرتا تھا، جو انور صاحب کرتے تھے۔ اگر وہ چائے کا کپ اُٹھا کر چائے پیتے تو شانی روبوٹ خالی کپ پکڑ کر منھ سے لگا لیتا تھا۔ انور صاحب منھ پر ہاتھ رکھ کر کھانستے تو شانی روبوٹ اپنے منھ پر ہاتھ رکھ کر ان کی نقل اُتارتا تھا۔ انور صاحب کو اس کی حرکتیں پسند تھیں۔

انھوں نے فون پر اپنے بیٹے ناصر کو شانی کے بارے میں بتایا تو اس نے کہا: ''آپ کو اطلاع کرنا بھول گیا تھا۔ میں اسی روبوٹ کمپنی میں کام کرتا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ اب آپ کا دل لگا رہے گا۔''

جلد ہی اردگرد کے لوگوں کو شانی کے بارے میں علم ہو گیا۔ انور صاحب گھر کا سودا لینے بازار جاتے تو شانی ان کے ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا تھا۔ وہ چلتے چلتے بھی انور صاحب کی نقل کر رہا ہوتا تھا۔ ایک رات کھانا کھاتے ہوئے انور صاحب نے دیکھا کہ شانی کے سینے پر ایک سرخ لائٹ جل بجھ کر رہی ہے اور اس کے ساتھ ''بیٹری لو'' کے الفاظ چمک رہے تھے۔ بیٹری کم زور ہوتے ہی شانی سُست پڑ گیا تھا۔

انور صاحب نے تیزی سے میز کی دراز سے دوسری بیٹری نکالی اور پرانی بیٹری نکال کر چارجنگ پر لگا دی۔ نئی بیٹری لگتے ہی شانی میں دوبارہ بجلی سی بھر گئی۔ وہ خوش ہو کر تالی بجانے کے انداز میں ہاتھ چلانے لگا۔

پھر سردیاں آ گئیں۔ ٹھنڈک بڑھتی جا رہی تھی۔ کھلا کھلا علاقہ تھا اور وہاں ہوا بھی تیز چلتی تھی۔ انور صاحب بوڑھے آدمی تھے۔ ٹھنڈ کی وجہ سے بیمار پڑ گئے۔ انھوں نے فون

کر کے ڈاکٹر کو بلوالیا۔ ڈاکٹر نے انھیں چیک کیا۔

''میں دوا دے رہا ہوں، بس احتیاط کی ضرورت ہے۔ آپ کے پاس کسی کو ہونا چاہیے۔''

''میرا بیٹا ہے نا میرے پاس۔'' انور صاحب مسکرائے۔

''وہ کہاں ہے؟'' ڈاکٹر نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

انور صاحب نے روبوٹ کی طرف اشارہ کیا: ''یہ ہے میرا بیٹا شانی روبوٹ۔''

ڈاکٹر صاحب شانی کو دیکھ کر مسکرا اُٹھے: ''اوہ...... اچھا...... گڈ...... بہت اچھا بیٹا ہے۔''

پھر انھوں نے شانی روبوٹ سے مخاطب ہو کر کہا: ''بھئی شانی میاں! اپنے بابا کا خیال رکھنا۔''

شانی کے منھ سے مشینی آواز نکلی اور اس کی گردن ہلنے لگی۔

''ماشاءاللہ کافی سمجھ دار بچہ ہے۔'' ڈاکٹر نے تعریف کی۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد شانی ان کے بیڈ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ انور صاحب نے ریموٹ سے ٹی وی آن کیا اور کارٹون لگا دیے، مگر شانی نے اس جانب دیکھا بھی نہیں۔ وہ صرف انور صاحب کو دیکھے جا رہا تھا۔

''جاؤ، شانی بیٹا! کارٹون دیکھ لو۔''

شانی نے سر اُٹھایا اور پھر انکار میں اس کی گردن ہلی۔ انور صاحب کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ انھیں اپنا بیٹا ناصر یاد آ گیا تھا، جسے اپنے بوڑھے باپ کی فکر ہی نہ تھی اور ایک یہ مشینی مخلوق تھی، جو ان کے لیے پریشان تھی۔

انور صاحب کئی روز بخار میں مبتلا رہے۔ اس دوران ان کے تمام چھوٹے موٹے کام شانی انجام دیتا رہا۔ کبھی کبھی تو انور صاحب کو اس کے روبوٹ ہونے پر شبہ ہونے لگتا تھا، پھر انور صاحب کی طبیعت ٹھیک ہونے لگی۔ مسلسل حرکت کرنے کی وجہ سے شانی کی

بیٹری کم زور ہونے لگی۔ تب انور صاحب نے میز کی دراز میں سے نئی بیٹری نکال کر لگا دی۔ شانی سمجھ گیا تھا کہ بیٹری کی وجہ سے اس کے جسم میں نئی زندگی بھر جاتی ہے۔ اب وہ اپنی بیٹری پلگ میں لگا کر خود ہی چارج کرنے لگا تھا۔

ایک صبح موسم بڑا خوش گوار تھا۔ چمکیلی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ انور صاحب گھر کے باہر آ کر ایک لکڑی کی بینچ پر بیٹھ گئے۔ شانی سامنے ہی پرندوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ وہ پرندوں کو پکڑنے کی کوشش کرتا تو وہ اُڑ جاتے اور پھر دوسری جگہ جا بیٹھتے۔ انور صاحب شانی کی اس حرکت پر خوب ہنس رہے تھے۔ کافی دیر بعد شانی پلٹ کر انور صاحب کی جانب آیا اور بینچ پر چڑھ کر ان کے برابر میں بیٹھ گیا۔ جب بھی شانی ان کے برابر میں بیٹھتا تھا تو انور صاحب اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے۔

جب شانی ان کے برابر بیٹھا تو انور صاحب نے پہلے کی طرح سر پر ہاتھ نہیں پھیرا۔ شانی نے گردن گھما کر ان کی جانب دیکھا۔ وہ سامنے دیکھ رہے تھے۔ شانی نے ان کا بازو پکڑ کر ہلایا تو ان کا بازو لٹک گیا۔ بیٹھے بیٹھے انور صاحب کا جسم بے جان ہو گیا تھا۔ ان کی بے نور آنکھیں وادی کو تک رہی تھیں۔ شانی کو کیا معلوم کہ موت کیا ہوتی ہے، مرنا کسے کہتے ہیں۔ وہ بار بار ان کا بازو ہلا رہا تھا۔

پھر پتا نہیں اسے کیا ہوا۔ وہ بینچ پر سے اُترا اور گھر کے اندر چلا گیا۔ چند منٹ بعد باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بیٹری تھی۔ شانی نے آگے بڑھ کر انور صاحب کی قمیص کی جیب میں بیٹری ڈال دی اور بڑے اشتیاق سے انھیں دیکھنے لگا کہ اب ان کے جسم میں حرکت پیدا ہو گی، مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ شانی ان کے گھٹنے پکڑ کر ہلانے لگا۔ منھ سے آوازیں نکال کر متوجہ کرنے لگا۔ پھر مایوس ہو کر وہ بھی بے حس و حرکت ہو گیا۔

ناصر افسردہ سا گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس کئی افراد کھڑے تھے، جو انور صاحب

کے پڑوسی تھے۔ ایک آدمی ناصر کو بتا رہا تھا: ''سب سے پہلے میں نے انھیں دیکھا تھا۔ میں بازار جانے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ یہاں سے گزر ہوا تو میں نے دیکھا کہ انور صاحب بینچ پر بیٹھے ہیں اور وہ روبوٹ بچہ ان کے پیروں سے لپٹا ہوا تھا۔ میں قریب آیا تو معلوم ہوا کہ انور صاحب کے جسم میں تو جان ہی نہیں تھی۔ ان کی قمیص کی جیب میں کئی بیٹریاں تھیں۔ وہ روبوٹ بچہ بھی بے حرکت تھا۔ ہم سب اسے جانتے تھے۔ انور صاحب اسے اپنا بیٹا کہتے تھے۔ میں نے اسے چیک کیا۔ اس کی بیٹری بھی چارج تھی۔ اس میں ایسی کوئی ظاہری خرابی بھی نظر نہیں آ رہی تھی، لیکن میری کئی کوشش کے باوجود وہ حرکت نہ کر سکا۔ انور صاحب کی تدفین کے بعد بھی روبوٹ کو چیک کیا گیا، مگر وہ دوبارہ ٹھیک نہیں ہوا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں کیا خرابی ہوئی ہے۔''

ناصر سر جھکائے سن رہا تھا۔ وہ سب سمجھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں شانی کی خرابی آ گئی تھی۔ شانی اصل میں بیٹری کے ساتھ ساتھ انور صاحب کی محبت سے چلتا تھا۔

ناصر کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو ٹپک رہے تھے۔

☆☆☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۸۷ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸-نومبر ۲۰۱۷ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

معلومات ہی معلومات

غلام حسین میمن

جوہرِ قابل

مولانا محمد علی جوہر کے سو سالہ یومِ پیدائش کے موقع پر شہید حکیم محمد سعید کی خواہش پر ۱۹۷۸ء میں ماہ نامہ ہمدرد نونہال کے مدیرِ اعلا سید مسعود احمد برکاتی نے بچوں کے لیے مختصر، مگر جامع کتاب ''جوہرِ قابل'' لکھی۔ یہ مقبول اور معلوماتی کتاب ہے۔ یہ کتاب کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اس کتاب میں مولانا محمد علی جوہر کا اپنا لکھا ہوا مضمون ''زندگی کے پچاس سال'' موجود ہے۔

''جوہرِ قابل'' کے نام سے ایک اور کتاب کاروانِ علم فاؤنڈیشن لاہور نے بھی شائع کی ہے۔ اس کتاب کے مصنف خالد ارشاد صوفی ہیں۔ اس میں ان ہونہار طالب علموں کی داستان ہے، جنھوں نے غربت اور مشکل حالات میں بھی اپنی تعلیم جاری رکھی، حالات کا مقابلہ کیا اور اعلا تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے شعبوں میں کمال حاصل کیا۔

پُرجوش نظمیں

جب پاکستان کے قیام کی تحریک زوروں پر تھی تو اس وقت کئی شاعروں کا کلام بھی عوام میں جوش و خروش پیدا کر رہا تھا۔ کیف بنارسی کی نظم کا نعرہ بچے بچے کی زبان پر تھا:

''لے کے رہیں پاکستان بٹ کے رہے گا ہندستان''

یہ ان کی نظم ''شعلہ آزادی'' کا شعر ہے، جو انھوں نے ۱۹۴۴ء میں لکھی تھی۔

کیف بنارسی کا اصل نام یاور حسین تھا۔ وہ ۱۹۲۶ء میں بنارس میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا

انتقال ۶ دسمبر ۲۰۰۳ء کو ہوا۔

دوسری مشہور نظم میاں بشیر احمد کی لکھی ہوئی ''ملت کا پاسبان ہے محمد علی جناح'' ہے، جو انھوں نے مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں منعقدہ آل انڈیا مسلم لیگ کے ۲۷ ویں سالانہ جلسے میں خود پڑھی تھی۔ میاں بشیر احمد ۲۹ مارچ ۱۸۹۳ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد جسٹس میاں شاہ دین بھی اچھے شاعر تھے۔ میاں بشیر احمد کا انتقال ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو ہوا۔ مکمل شعر یوں ہے:

ملت کا پاسبان ہے محمد علی جناح ملت ہے جسم، جاں ہے محمد علی جناح

معلم

معلم، عربی میں استاد کو کہتے ہیں۔ معلم اول سے مراد حکیم ارسطو ہے، جس نے علم و حکمت کو سب سے پہلے لکھ کر پڑھنا سکھایا۔ ۳۸۴ قبل مسیح میں یونان میں پید ہونے والا یہ عظیم فلسفی، ریاضی داں اور ماہرِ فلکیات افلاطون کا شاگرد اور مشہور فاتح سکندرِ اعظم کا استاد تھا۔ اس کا انتقال ۳۲۲ قبل مسیح میں ہوا۔

معلم ثانی، ابونصر فارابی کا لقب ہے، جس نے ارسطو کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر کے تعلیم دینی شروع کی تھی۔ وہ ۸۷۳ء میں فاراب (ترکستان) میں پیدا ہوئے۔ انھیں ریاضی اور موسیقی میں بھی کمال حاصل تھا۔ ان کا انتقال ۹۵۰ء میں ہوا۔

معلم ثالث، سے مراد حکیم بو علی سینا ہیں، جنھوں نے ابونصر فارابی کے بعد سو کے قریب کتابیں تصنیف کیں۔ وہ ۹۸۰ء میں بخارا (موجودہ جمہوریہ ازبکستان) کے قریب

پیدا ہوئے۔ وہ نامور طبیب تھے، جن کی ارسطو کے فلسفے پر گہری نظر تھی۔ بو علی ابنِ سینا کی کتابوں کا یورپ کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ان کا انتقال ۱۰۳۷ء میں ہمدان (ایران) میں ہوا۔

کیوی

کیوی، جو اُڑ نہیں سکتا، مگر تیز رفتاری سے دوڑ سکتا ہے۔ یہ نیوزی لینڈ میں پایا جاتا ہے۔ اس کا رنگ گہرا بھورا ہوتا ہے۔ اس کی خوراک کیڑے مکوڑے ہیں۔ نیوزی لینڈ میں اس پرندے کو مقدس سمجھا جاتا ہے۔ اس کی تصاویر کرنسی نوٹوں کے علاوہ ڈاک ٹکٹوں پر بھی شائع ہوتی ہیں۔ یہ نیوزی لینڈ کا قومی پرندہ ہے۔

کیوی، ایک پھل کا نام بھی ہے۔ یہ چین کا قومی پھل ہے، مگر اس کا بھی اصل وطن نیوزی لینڈ ہے۔ اسی لیے اس کا نام قومی پرندے سے منسوب کر کے کیوی فروٹ رکھا گیا ہے۔ یہ خاکستری رنگ کا لمبوترا پھل ہے، جس میں وٹامن ای کی خاصی مقدار کے علاوہ اسکاربک ایسڈ بھی ہوتا ہے۔

ہم معنی

منوچہر، فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں، آسمان جیسے چہرے والا یا بہت خوب صورت۔

منوہر، سنسکرت زبان کا لفظ ہے، جو منوچہر کا ہم معنی ہے۔ منوہر کے معنی بھی خوب صورت، خوبرو اور مرغوب کے ہیں۔ ☆

انعامی سلسلہ ۲۶۳

معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں ۱۲ سوالوں کے سامنے تین ممکنہ جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک درست ہے۔ کم سے کم ۸ درست جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے تمام درست جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر تمام درست جوابات دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ ۸ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ درست جوابات دے کر انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ نومبر ۲۰۱۷ء تک ہمیں مل جائیں۔ کوپن کے علاوہ علاحدہ کاغذ پر بھی اپنا مکمل نام پتا اردو میں بہت صاف لکھیں۔ ادارۂ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱ حضرت اسحاقؑ اپنے بھائی حضرت اسماعیلؑ سے .... سال چھوٹے تھے۔ (۷ ۔ ۱۰ ۔ ۱۳)

۲ امام مالک بن انس مدینہ منورہ میں .... میں پیدا ہوئے۔ (۹۳ھ ۔ ۹۷ھ ۔ ۹۹ھ)

۳ طبی انسائیکلوپیڈیا سب سے پہلے .... نے مرتب کی تھی۔ (محمد زکریا الرازی ۔ الزہراوی ۔ الفارابی)

۴ علامہ اقبال کو ''سر'' کا خطاب .... میں ملا تھا۔ (۱۹۱۵ء ۔ ۱۹۱۹ء ۔ ۱۹۲۲ء)

۵ ضلع ''تھرپارکر'' .... ڈویژن میں ہے۔ (لاڑکانہ ۔ سکھر ۔ میرپور خاص)

۶ .... کے درخت میں لکڑی نہیں ہوتی۔ (فالسے ۔ کیلے ۔ شہتوت)

۷ مانٹریال .... کا مشہور شہر ہے۔ (کمبوڈیا ۔ وینزویلا ۔ کینیڈا)

۸ پچھتر فی صد تانبا اور پچیس فی صد جست ملانے سے .... کی دھات بنے گی۔ (سیسہ ۔ پیتل ۔ قلعی)

۹ ہندستان میں ۱۳۲۰ء سے ۱۴۱۲ء تک .... خاندان نے حکمرانی کی۔ (خلجی ۔ تغلق ۔ لودھی)

۱۰ مشہور کتاب ''بجنگ آمد'' .... کی تصنیف ہے۔ (کرنل محمد خاں ۔ شفیق الرحمٰن ۔ ضمیر جعفری)

۱۱ اردو زبان کا ایک محاورہ ہے: ''طویلے کی بلا .... کے سر''۔ (بندر ۔ توتے ۔ بکرے)

۲ انشا اللہ خاں انشا کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کریں:

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری، راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں، ہم .... بیٹھے ہیں

(برباد ۔ بیزار ۔ بیمار)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۶۳ (نومبر ۲۰۱۷ء)

نام :

پتا :

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸-نومبر ۲۰۱۷ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں اور صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (نومبر ۲۰۱۷ء)

عنوان :

نام :

پتا :

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ -نومبر ۲۰۱۷ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

عظیم مسلمان شخصیات کے حالاتِ زندگی پر معلوماتی کتابیں

نئے باتصویر رنگین ٹائٹل کے ساتھ، نئے ایڈیشنز

کتاب کا نام	صفحات	قیمت
۱۔ الطّوسی۔ ماہرِ ریاضی	۲۴	۳۵ روپے
۲۔ الادریسی۔ ماہرِ جغرافیہ	۳۲	۴۲ روپے
۳۔ الفارابی۔ عظیم فلسفی	۳۶	۴۵ روپے
۴۔ البیطار۔ ماہرِ نباتات	۴۴	۵۰ روپے
۵۔ الوزّان۔ عظیم سیاح اور واقعہ نگار	۳۶	۴۵ روپے
۶۔ القزوینی۔ ماہرِ ارضیات	۲۸	۴۰ روپے
۷۔ البیرونی۔ عظیم مفکر اور ماہرِ فلکیات	۳۲	۴۰ روپے
۸۔ ابنِ خلدون۔ عظیم مورخ اور ماہرِ عمرانیات	۲۸	۴۰ روپے
۹۔ جابر بن حیان۔ ماہر کیمیا	۳۲	۴۰ روپے
۱۰۔ ابنِ یونس۔ ماہرِ فلکیات	۲۸	۴۰ روپے
۱۱۔ الخوارزمی۔ ماہرِ حساب	۲۴	۳۵ روپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی ۔ ۷۴۶۰۰

ہمدرد نونہال اسمبلی

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور .... رپورٹ : سید علی بخاری

تقریب کے صدر، مہمانانِ خصوصی اور جناب سید علی بخاری انعام یافتہ نونہالوں کے ساتھ

''امن، تین حروف کا ایک نہایت چھوٹا سا لفظ ہے، لیکن اس کے معنی اور مفہوم دونوں نہایت وسیع ہیں۔ اس لفظ کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی مذاہب آئے، ان کا محور خالق کائنات کی عبادت کے ساتھ امن کا قیام اور احترامِ انسانیت ہے۔ ہر مذہب انسان کو امن و سکون کے ساتھ زندگی گزارنے کا حق دیتا ہے اور اس پر یہ فرض بھی عائد کرتا ہے کہ وہ دوسروں کے امن و سکون کو تباہ نہ کرے۔ اسلام تو امنِ عالم کا علم بردار ہے۔ صلح، بھائی چارہ، محبت اور امن کا دین ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے امن کو اپنی نعمت قرار دیا ہے۔ انسانی معاشرے کو خوف و ہراس سے پاک کر کے

لوگوں کو پُر امن زندگی گزارنے کی ہدایت بھی اسی بارگاہ سے ملی ہے۔ لڑائی، جھگڑا، طاقت کے زور پر کم زوروں کو ستانا اور تکلیف دینا اچھی باتیں نہیں ہیں۔ ان باتوں سے لوگوں کی آپس میں نفرت بڑھتی ہے۔ لڑائی شروع کرنے والا بھی آخر میں پچھتاتا ہے اور اس کا ضمیر بھی ملامت کرتا ہے۔ کم زور تو چوں کہ کم زور ہے، اس لیے وہ تکلیف برداشت کرتا ہے، لیکن اس کے دل میں مایوسی اور نفرت ضرور جگہ بنا لیتی ہے، زیادتی کرنے والوں سے بدلہ لینے کی خواہش زور پکڑتی جاتی ہے اور اس کے لیے وہ غلط راستہ اختیار کرنے پر بھی مائل ہو جاتا ہے۔ اس طرح دونوں فریق بے چینی اور بے سکونی میں مبتلا رہتے ہیں۔ لڑائی اگر چہ دو فرقوں، دو گروہوں یا دو ممالک کے درمیان ہوتی ہے، لیکن معصوم لوگوں کی جان بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ ترقی رک جاتی ہے اور معاشرہ آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے کی طرف جانے لگتا ہے۔ ہمارا پیارا وطن پاکستان بھی بدامنی سے محفوظ نہیں۔ بدامنی پھیلانے والے نہ وطن دوست ہوتے ہیں، نہ انسان دوست اور نہ اپنی ذات اور اپنے خاندان کے دوست۔ ان کا مقصد صرف نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔ حالت امن کے فائدے کا انھیں علم نہیں ہوتا ہے۔ وہ مذہب کی تعلیمات سے بھی غافل ہوتے ہیں۔'' ان خیالات کا اظہار صدر ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان محترمہ سعدیہ راشد نے گورنمنٹ جناح پبلک لائبریری ساہیوال میں ''آؤ سب امن سے رہیں'' کے موضوع پر ایک خصوصی پیغام میں کیا۔

شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید نے فرمایا تھا: ''امن کا نہ ہونا، انسان کے ضمیر کی سیاہی کا عنوان ہے۔'' بزم کی صدارت چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹریز ساہیوال کے صدر محترم محمد عامر صدیق نے کی۔ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے چیئرمین پارکس اینڈ ہارٹیکلچر اتھارٹی ساہیوال محترم پیر احسان الحق ادریس صاحب شریک ہوئے اس موقع پر ساہیوال کی مشہور علمی شخصیت جناب پروفیسر ارجمند راحت قریشی بھی شریک تھے۔ پاکستان ایسوسی ایشن

تقریب میں شریک نونہال دعا پڑھتے ہوئے

فارایسٹرن میڈیسن کے صدر میاں محمد صغیر احمد و دیگر عہدے داران بھی موجود تھے۔ چیف لائبریرین گورنمنٹ جناح پبلک لائبریری ساہیوال جناب محمد طارق نے لاہور سے آئے ہوئے شرکاء کو خوش آمدید کہا اور لائبریری سے متعلق نونہالان کو معلومات مہیا کی۔

تقریب کی نظامت کے فرائض نویرا بابر نے نبھائے۔ نونہال مقررین میں حذیفہ، دعا منصور، ملائیکہ صابر، ملک محمد عادل، محمد دانش اور علوینہ علی خان شامل تھے۔ تلاوتِ کلامِ مجید نونہال محمد شعیب نے اور نعتِ رسولِ مقبول ﷺ نونہال میاں محمد عمر نے پیش کی۔ ملی نغمہ نونہال عائشہ وکیل نے اور خاکہ، ٹیبلو مختلف نونہالوں نے مل کر پیش کیا۔ بزم کا اختتام دعائے سعید پر ہوا۔ اس موقع پر نونہالوں کو ساہیوال کے قریب آثارِ قدیمہ اور ہڑپہ میوزیم کا مطالعاتی دورہ بھی کرایا گیا۔

☆☆☆

ایٹنا پہاڑ

ایم یوسف وحید

اٹلی کے جنوب میں واقع سب سے بڑا جزیرہ سسلی کے نام سے مشہور ہے۔ سسلی کے چاروں طرف بحیرہ روم ہے۔ ایٹنا (AETNA) سسلی کے مشرقی ساحل پر واقع آتش فشاں پہاڑ ہے۔ یہ پہاڑ تھوڑے تھوڑے عرصے بعد گزشتہ تین ہزار برس سے لاوا اُگل رہا ہے، جس سے اس علاقے میں اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں۔ اب تک ۱۷۵ زلزلے آچکے ہیں، جن میں بہت سے لوگ مارے گئے اور ہزاروں عمارتیں تباہ ہوگئیں۔ ۱۱۶۹ء میں ایٹنا کی آتش فشانی سے پندرہ ہزار لوگ مارے گئے اور اس کے قریب واقع کٹانیا کا پورا شہر تباہ ہو گیا۔

۱۶۶۹ء میں بہت خوف ناک زلزلہ آیا، جس میں بیس ہزار افراد مارے گئے۔ اسی طرح ۱۹۲۸ء میں بھی یہاں شدید زلزلہ آیا۔ ایٹنا کی تباہ کن آتش فشانی کے باوجود لوگ اس پہاڑ کے مختلف حصوں میں آباد ہیں۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ ایٹنا کی وادیوں میں طرح طرح کے پھل دار درخت اُگے ہوئے ہیں، جن میں موسم کے مطابق بڑے لذیذ اور میٹھے پھل لگتے ہیں۔ زیتون، لیموں، کھجور، کیلا، سنگترہ، بادام اور انجیر یہاں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔

پھل دار درخت ایٹنا کے نچلے حصے میں پائے جاتے ہیں۔ درمیانی حصے میں جنگلات ہیں۔ جن میں مختلف قسم کی لکڑی اور جڑی بوٹیاں اُگتی ہیں۔ سب سے اوپر آتش فشاں کا دہانہ ہے۔ جہاں سے زلزلے کے وقت لاوا نکلتا ہے۔ بار بار زلزلے آنے کی وجہ سے اس پہاڑ کے گرد اور ڈھلوانوں پر لاوے کی کئی کئی فیٹ اونچی دیواریں بن گئی ہیں۔ ایٹنا سطح سمندر سے ۱۰۷۵۰ فیٹ بلند ہے۔ اس کے تقریباً ڈھائی سو چھوٹے دہانے بھی ہیں۔ چوٹی پر سال کے بیشتر حصے میں برف جمی رہتی ہے۔ ۹۶۵۰ فیٹ کی بلندی پر ایک رصد گاہ بھی قائم ہے۔ دنیا بھر میں استعمال ہونے والی گندھک کا زیادہ حصہ اسی پہاڑ سے حاصل ہوتا ہے۔ ☆

نونہال مصور

حمنہ ذوالفقار، کراچی

فاطمہ صدیقی، کورنگی

اسابنتِ شبیر احمد قریشی، حیدرآباد

اُمِ ایمن، چشمہ، میانوالی

فوزیہ کنول، جونا مارکیٹ
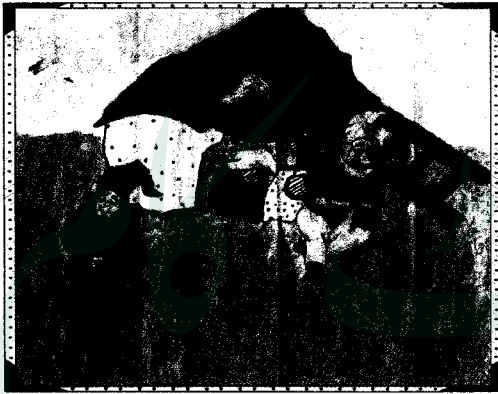
سدرہ کنول، کراچی

سارہ قریشی، حیدرآباد

مسکراتی لکیریں
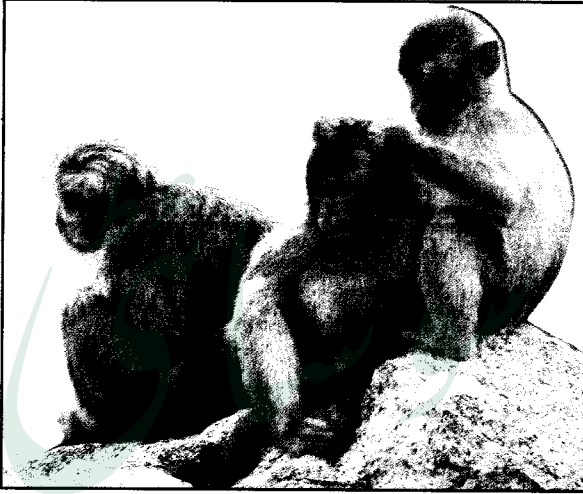
''اماں! میں نے پہلے ابا کے جوئیں نہیں نکالیں، اس لیے وہ مجھ سے خفا ہیں۔''

یہ آدمی بچے اغوا کر کے نہیں لے جارہا ہے، بلکہ یہ نوشہرہ کا ایک غریب آدمی ہے جو اپنے بچوں کو کپڑے کے تھیلے میں ڈال کر گھر لے جا رہا ہے۔

تصویر خانہ
عبدالرحمن آفتاب صدیقی کراچی
محمد ادریس رضا عطاری کراچی
محمد حسن رضا عطاری، کراچی
عبدالرحیم آفتاب صدیقی، کراچی
پروشا جویو، لاڑکانہ
محمد رافع شیخ، حیدر آباد
داوٗد آصف، ڈنگہ

آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام
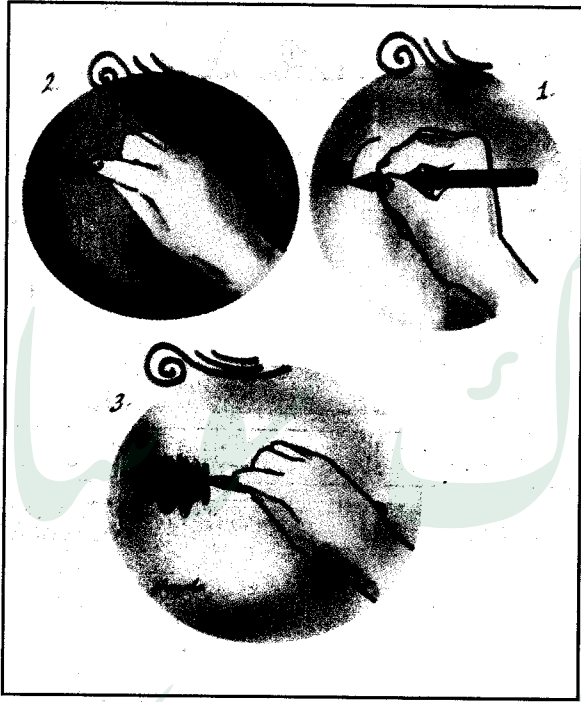
یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ تصویر بنانے سے پہلے اس کا ایک ہلکا سا خاکہ پنسل سے بناتے ہیں، پھر اس میں رنگ بھر کر تصویر مکمل کرتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ خاکہ بناتے وقت پنسل کس انداز سے پکڑنا چاہیے۔ تصویر نمبر ایک میں عام انداز سے پنسل پکڑی گئی ہے۔ پنسل کو بالکل نوک کے قریب سے کبھی نہ پکڑیں۔ تصویر نمبر دو میں شیڈنگ کرتے دکھایا گیا ہے۔ اس میں ایک اُنگلی پنسل کی نوک کے قریب رہے گی۔ تصویر نمبر تین میں پنسل کو بلکل لِٹا کر شیڈنگ کرتے دکھایا گیا ہے۔ اسی طرح مشق جاری رکھیے۔ ☆

😊 آئرلینڈ کے مشہور سیاست داں "ڈی ویرا" اپنی سیاسی تقریروں کی وجہ سے اکثر گرفتار ہو کر جیل جاتے رہتے تھے، مگر واپس آ کر وہ پھر تقریریں کرنے لگتے۔ ایک بار "ڈی ویرا" ایک ہال میں تقریر کر رہے تھے کہ اچانک پولیس نے انھیں گرفتار کر لیا۔ ایک سال کی سزا ہوئی۔ ایک سال گزار کر وہ دوبارہ اسی ہال میں پہنچے، جہاں ایک سال پہلے تقریر کر رہے تھے، کہنے لگے: "معزز خواتین و حضرات! جیسا کہ میں اس دن کہہ رہا تھا....."

مرسلہ: حسام عامر، سندھی ہوٹل

😊 ایک پڑوسی نے دوسرے سے کہا: "دیکھیے، آپ کا بیٹا میری نقل اُتارتا ہے۔ جو میں کرتا ہوں، اسی طرح وہ بھی کرتا ہے۔"

دوسرے پڑوسی نے نرمی سے جواب دیا: "آپ بے فکر رہیں بھائی صاحب! میں نے اسے سمجھا دیا ہے کہ بے وقوفوں جیسی حرکتیں نہ کیا کرو۔"

مرسلہ: اسماء آصف، کراچی

😊 ایک ماہر فلکیات رات کے وقت اپنی رصد گاہ میں دوربین سے تاروں کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس دوران رصد گاہ کے نئے چوکیدار نے ایک ستارہ ٹوٹتے دیکھا تو سائنس داں کو مخاطب کر کے بولا: "جناب! کیا خوب نشانہ ہے آپ کا۔"

مرسلہ: عبدالرافع، لیاقت آباد

😊 دو دوست آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے کہا: "میرے ابو سڑک پار کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟" دوسرے نے پوچھا۔

"سڑک پار کرتے ہوئے وہ میرا ہاتھ جو پکڑ لیتے ہیں۔"

مرسلہ: ریان طارق، کراچی

😊 دو سہیلیاں آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ ایک نے دوسری سے کہا: ''کاش، میں وقت ہوتی، کیوں کہ تمام لوگ وقت کی قدر کرتے ہیں۔ ہر کوئی وقت کا غلام ہوتا ہے اور وقت کسی کے ہاتھ نہیں آتا۔''

دوسری سہیلی نے منھ بنا کر کہا: ''اگر تم وقت ہوتیں تو لوگ تمھارے آنے پر گھر کے دروازے بند کر لیتے۔''

''وہ کیوں؟'' پہلی سہیلی نے پوچھا۔

دوسری سہیلی نے جواب دیا: ''لوگ کہتے کہ اللہ بچائے، دیکھو، کتنا بُرا وقت آ گیا ہے۔''

مرسلہ : تحریم خان، شمالی کراچی

😊 ایک دوست دوسرے سے: ''تم بے وجہ ہوائی سفر سے ڈرتے ہو۔ جب تک انسان کا مرنے کا وقت نہیں آ جاتا، وہ نہیں مرتا۔''

دوسرا دوست: ''فرض کرو، میں ہوائی سفر میں ہوں اور پائلٹ کے مرنے کا وقت آ جائے، تب میں کیا کروں گا!''

مرسلہ : عروج ناصر، ناظم آباد

😊 ایک نوجوان کو اپنی آواز پر بہت ناز تھا۔ وہ ایک موسیقار کے پاس اپنی آواز کا ٹیسٹ دینے گیا۔ جب ٹیسٹ ہو چکا تو اس نوجوان نے پوچھا: ''جناب! میری آواز کیسی ہے؟''

جواب ملا: ''خطرے کے سائرن کے لیے آپ کی آواز سب سے بہتر ہے۔''

مرسلہ : مہک اکرم، کراچی

😊 ایک صاحب کو گلی سے ہزار روپے کا نوٹ ملا۔ جس پر لکھا تھا ''عید مبارک'' انھوں نے اُٹھا کر جیب میں رکھا اور اس کی جگہ ایک اور نوٹ رکھ دیا، جس پر لکھا تھا ''خیر مبارک''۔

مرسلہ : حلیمہ صابر، ہری پور

😊 ایک لال بیگ بے دم حالت میں پڑا تھا۔ دوسرا لال بیگ قریب آیا اور پوچھا: ''بھائی! چپل پڑی ہے کیا؟''

پہلا لال بیگ: ''نہیں بھئی، ایک عورت مجھے دیکھ کر اتنی زور سے چیخی کہ مجھے ہارٹ اٹیک ہو گیا۔''

مرسلہ : طیب محمود، نواب شاہ

سروے کرنے والے شخص نے ایک سرکاری دفتر کے انچارج سے پوچھا: ''آپ کے دفتر میں کل کتنے آدمی کام کرتے ہیں؟''

انچارج نے سوچتے ہوئے جواب دیا: ''سو میں سے پانچ، چھے۔''

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، لیاری ٹاؤن۔

بھکاری دروازے پر دستک دیتے ہوئے: ''ایک روپے کا سوال ہے بابا!''

''پیسے نہیں ہیں۔'' اندر سے آواز آئی۔

''آٹا ہی دے دو!'' بھکاری نے کہا۔

''آٹا بھی نہیں ہے۔''

تھوڑی سی چینی ہی دے دو۔''

''چینی بھی نہیں ہے۔''

بھکاری نے کہا: ''تو پھر اندر کیا کر رہے ہو! باہر آؤ اور میرے ساتھ ہاتھ پھیلا کر تم بھی مانگو۔''

مرسلہ : ہانیہ عثمان سفیان، کراچی

ایک عورت اپنے بچے کو لے کر ماہرِ نفسیات کے پاس گئی اور بتایا: ''میرا بچہ ہر چیز میں صرف سرخ رنگ ہی بھرتا ہے۔''

ڈاکٹر نے بچے پر تنویمی عمل کر کے پوچھا: ''بیٹا! آپ ہر چیز میں سرخ رنگ کیوں بھرتے ہیں؟''

بچے نے جواب دیا: ''میرے تمام رنگ ختم جو ہو گئے ہیں۔''

مرسلہ : عریشہ عروج مغل، حیدر آباد

سیاح: ''ہمارے ملک میں ٹرین اتنی تیز چلتی ہے کہ باہر کا منظر دکھائی نہیں دیتا۔''

مقامی آدمی: ''ہمارے یہاں ٹرین اتنی تیز چلتی ہے کہ ایک بار میں نے قلی کو پیسے دینے کے لیے ہاتھ نکالا، اتنے میں ٹرین چل پڑی اور پیسے دوسرے اسٹیشن کے قلی نے جھپٹ لیے۔''

مرسلہ : عمان وحید، اٹک سٹی۔

ڈاکٹر (مریض سے): ''اب آپریشن کے بعد آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

مریض: ''کچھ یوں لگتا ہے کہ میرے سینے میں ایک بجائے دو دل دھڑک رہے ہیں۔''

ڈاکٹر: ''اوہ! تو گویا میری گم شدہ گھڑی اندر رہ گئی ہے۔''

مرسلہ : پرویز حسین، کراچی

ہنڈکلیا

انڈے کے لوز

ہر موسم میں انڈے شوق سے کھائے جاتے ہیں۔ انڈوں کے استعمال کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کا مزے دار حلوا بنایا جائے، لیکن یہاں پر انڈے کے لوز بنانے کی ترکیب لکھی جا رہی ہے۔

انڈے تازہ : ایک درجن / کھویا تازہ : ایک پیالی / چینی : تین پیالی

گھی: آدھی پیالی / بالائی : چوتھائی پیالی / زعفران : چوتھائی چاے کا چمچہ

بادام (کٹے ہوئے) : چوتھائی پیالی / پستے : چوتھائی پیالی

چھوٹی الائچی : ۱۲ عدد / جائفل پسا ہوا : چوتھائی چاے کا چمچہ

ترکیب: کھوئے کو اچھی طرح مسل کر اس میں چینی ملائیں۔ انڈے توڑ کر ایک برتن میں ڈالیں، پھر بلینڈر میں خوب ملائیں۔ اسی وقت زعفران باریک پیس کر شامل کر دیں۔ اسی میں گھی بھی شامل کر دیں۔

پھینٹے ہوئے انڈے، کھوئے چینی میں ملا کر بالائی شامل کر دیں۔ ایک انچ گہری ٹرے یا لگن میں اُنڈیل کر اوپر سے بادام، پستے چھڑک کر اوون میں درمیانی آنچ پر دم دیں۔ جب یہ پک کر سخت اور بادامی ہو جائے تو نکال کر اوپر پسی ہوئی الائچی اور جائفل چھڑک کر لوز کاٹ لیں، زعفران کی جگہ زعفرانی رنگ بھی ڈال سکتے ہیں۔

☆☆☆

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

خنسا فیصل، کراچی
محمد ارسلان رضا، کہروڑ پکا
سید ریان متین، شمسی سوسائٹی
عفان احمد خان، کراچی
جنید اقبال، لاہور
حلیمہ صابر، ہری پور
طٰہٰ وسیم، سعدی ٹاؤن
عبدالنافع، رفاہ عام سوسائٹی
مصعب بن جاوید، ملیر ہالٹ

ہمارے اقبال

خنسا فیصل، کراچی

علامہ اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کی۔ ان کا مشاہدہ اور مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انھیں دینِ اسلام کے سنہری اُصولوں سے خاصی عقیدت تھی۔

وہ جب سینما کے سامنے بھیڑ بھاڑ دیکھتے تو اپنے ملازم علی بخش (جو علامہ اقبال کے نہایت وفادار ملازم تھے) سے کہتے: ''مسجدوں کے سامنے تو کبھی ایسا ہجوم نظر نہیں آتا۔''

وہ اکثر رات کو دو ڈھائی بجے دبے پاؤں اُٹھتے اور وضو کر کے جاء نماز پر جا بیٹھتے تھے۔ نماز پڑھ کر دیر تک سجدے کی حالت میں رہتے تھے۔ جب فارغ ہوتے تو بستر پر لیٹ کر حقے کے کبھی ایک اور کبھی دو کش لگاتے تھے، جو علی بخش انھیں لا کر دیتا تھا۔

انھیں پلاؤ اور سیخ کباب بہت پسند تھے۔ پھلوں میں آم بے حد پسند تھا، لیکن وفات سے چھے مہینے پہلے ان کا گلا بیٹھ گیا، اس لیے کھانا پینا کم ہو گیا۔ علی بخش کہا کرتے تھے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو میں ان کے بہت قریب تھا۔ وفات والے دن میں نے صبح فروٹ سالٹ بنا کر دیا اور کہا کہ اب

آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے گی، لیکن ۲۱-اپریل ۱۹۳۸ء کو عین پانچ بج کر دس منٹ پر ان کی آنکھوں میں ایک تیز نیلی سی روشنی کی چمک آئی اور زبان سے ''اللہ ہی اللہ'' نکلا۔ علی بخش نے جلدی سے ان کا سر اُٹھا کر اپنے سینے پر رکھ لیا اور انھیں جھنجوڑنے لگا، لیکن قومی اور ملی شاعر، مفکر اور نظریۂ پاکستان کا خالق اب ہم سے جدا ہو چکا تھا۔

علامہ اقبال ایک درویش صفت انسان تھے۔ آپ لاہور کی مشہور بادشاہی مسجد کے باہر اپنے مقبرے میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ علامہ اقبال جیسے عظیم لوگوں کو نہ تو دنیا بھولی ہے اور نہ کبھی بھولے گی۔

جذبہ

سید ریان متین، شمسی سوسائٹی

''عمار، حذیفہ، قاسم! آج چھٹی سے پہلے کینٹین میں میٹنگ ہے۔'' اوصاف نے کہا۔

''کیوں بھائی! کیا پھر کوئی مہم درپیش ہے؟'' حذیفہ نے کریدا۔

''مجھے معلوم نہیں، نومی بھائی نے کہلوایا ہے۔'' اوصاف نے کہا۔

پانچ دوستوں کا یہ گروپ یونی ورسٹی کے ذہین اور محنتی طالب علموں میں شمار ہوتا تھا۔ یہ پانچوں ہمدرد، زندہ دل اور شوخ مزاج کے تھے، مگر آج تک ان کی شوخی سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا تھا۔ تمام اساتذہ ان سے خوش تھے۔

پانچوں دوست کینٹین میں جمع تھے۔

''ہاں نومی! کیا مسئلہ ہے۔'' عمار نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''دیکھو دوستو! آج ایک نہایت اہم مسئلے کے لیے ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں۔'' نومی نے کہنا شروع کیا۔

اوصاف نے کہا: جس طرح پہلے بھی جمع ہوتے رہے ہیں۔''

''مگر اس بار کا مشن ہمیں ایسے انجام

دینا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔" نومی نے راز داری سے کہا۔

"اب مشن بھی بتا دو!" حذیفہ نے بے زاری سے پوچھا۔

"شمیم اختر پہلے سال کا طالب علم ہے۔ دبلا پتلا سا لڑکا، وہی جس کا فارم ہم نے قطار میں لگ کر جمع کرایا تھا۔" نومی نے بتایا۔

تمام لڑکوں نے ہاں میں سر ہلا دیے۔

"مجھے پتا چلا ہے کہ شمیم کے والد کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ دو مہینے سے گھر پر فارغ بیٹھے ہیں اور شمیم کی فیس کا بندوبست نہیں ہو سکا ہے۔ شمیم کو آج آخری وارننگ دی ہے کہ فیس جمع کرائی جائے، ورنہ وہ امتحان میں نہیں بیٹھ سکے گا۔" نومی نے تفصیل بتائی۔

تمام لڑکے سوچ میں ڈوب گئے۔

"ہمیں کسی بھی حال میں کل تک بیس ہزار روپے اِکٹھا کرنا ہوں گے!" آخر نومی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اوصاف نے کہا: "کوئی مسئلہ نہیں ہے، میں ابو سے لے لوں گا۔ ویسے بھی ابو پاکستان کی سیر کے لیے مجھے دس ہزار روپے دینے والے ہیں۔ اس بار ہم ٹور پر نہیں جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے، فیصلہ ہو گیا۔ اس بار ہم میں سے کوئی بھی ٹور پر نہیں جائے گا۔ کل ہم سب پانچ پانچ ہزار لائیں گے۔" نومی نے کہا۔ سب نے سر ہلا دیے۔

اگلے دن یہ گروپ میدان میں موجود تھا۔ عمار نے کہا: "نومی! شمیم کا چہرہ دیکھو! کتنا کھلا ہوا ہے۔"

"ہاں اور ہمیں اس کی مدد کر کے کتنا مزہ آیا ہے۔ اب ہمیں ٹور پر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اصل خوشی تو وہ ہے، جس سے کسی انسان کا کوئی مسئلہ حل ہو جائے۔" حذیفہ نے کہا اور سب نے سر ہلا دیے۔

مرغی اور چڑیا

جنید اقبال، لاہور

ایک تھی مرغی ، ایک تھی چڑیا
لال تھی مرغی ، نیلی چڑیا
چڑیا کی آواز سُریلی
ننھا سا منھ ، گردن پیلی
مرغی دن بھر گانا گاتی
چڑیا اس سے تنگ آجاتی
ایک دن چڑیا بولی یوں
بی مرغی سے چوں چوں چوں
انڈے ونڈے لایا کر
گانا تُو مت گایا کر

خدمتِ خلق

طٰہٰ وسیم، سعدی ٹاؤن

اشعر گاؤں کا واحد لڑکا تھا، جس نے ایم۔اے کا امتحان پاس کیا تھا۔ گاؤں کا ہر فرد اسے اور اس کی امی کوثر کو مبارک باد دینے آ رہا تھا۔

جب سب لوگ واپس چلے گئے تو کوثر نے اپنے بیٹے سے مستقبل کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا: ''میرا خیال ہے کہ شہر چلتے ہیں، گاؤں میں کیا رکھا ہے۔ نہ بجلی ہے، نہ گیس۔''

''نہیں امی ! میں شہر نہیں جاؤں گا، یہیں رہ کر گاؤں میں تعلیم عام کروں گا، تاکہ یہاں کا ہر فرد میری طرح پڑھا لکھا ہو۔'' اشعر نے جواب دیا۔

کوثر خوش ہوگئی اور بولی: ''بیٹے ! میری بھی یہی خواہش تھی، مگر میں نے تمھاری خوشی کے لیے شہر جانے کا کہا تھا۔

''امی ! میں نے حکومت کو درخواست دی ہے کہ وہ یہاں اسکول کھولے اور فنڈز وغیرہ مہیا کرے۔ آپ دعا کریں۔'' اشعر نے کہا۔

دعا قبول ہوئی اور کچھ ہی دنوں میں اسکول کی تعمیر شروع ہوگئی۔ کچھ ہی ماہ میں اسکول تعمیر ہوگیا۔ اس کا پرنسپل اشعر کو مقرر

کیا گیا۔ اشعر نے گاؤں کے تمام لوگوں کو اسکول بھیجنے پر راضی کر لیا۔ تمام بچے اسکول جانے لگے۔ اچھی کارکردگی دکھانے والوں کو اشعر اپنی جیب سے انعام دیتا۔

کچھ عرصے بعد گاؤں کے چودھری نے اشعر کو ڈرا دھمکا کر اسکول بند کرنے کے لیے کہا۔ اشعر اب گاؤں کی ہر دل عزیز شخصیت بن چکا تھا۔ اشعر کے کہنے پر گاؤں والوں نے چودھری کے کھیتوں میں کام کرنا چھوڑ دیا۔ چودھری کی عقل ٹھکانے آ گئی۔ اس نے آ کر اشعر سے صلاح کر لی اور ایک بڑی رقم اسکول میں لائبریری بنانے کے لیے دی۔

آج اشعر کی کوششوں سے گاؤں سے جہالت کے اندھیرے چھٹنے لگے اور جلد ہی وہاں کے لوگ خوش حال ہو گئے۔ آج گاؤں کے لڑکے لڑکیاں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ یہ سب اشعر کی کوششوں اور نیک نیت کا صلہ تھا۔

امیر کون؟

محمد ارسلان رضا، کہروڑ پکا

ایک امیر آدمی اپنے غریب دوست کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ غریب دوست ٹوپیاں بنانے کا ماہر تھا۔ امیر آدمی اپنی دولت پر غرور کرتا اور غریب دوست پر طنز کرتا رہتا تھا۔ سفر کرتے کرتے وہ ایک ایسے جزیرے پر پہنچے، جہاں جنگلی آدمی رہتے تھے۔ جنگلیوں نے انھیں دیکھ کر پہلے تو مارنا چاہا، مگر ٹوپی بنانے والے غریب آدمی نے انھیں اشاروں سے منت سماجت کر کے سمجھایا کہ ہم تمھاری خدمت کریں گے۔ ساتھ ہی وہاں سے درختوں کی بان لے کر ایک ٹوپی بنائی اور ایک جنگلی سردار کے سر پر پہنا دی۔ جنگلی اس تاج سے اس قدر خوش ہوئے کہ اس کے پاس ہر وقت ٹوپی بنوانے والوں کا ہجوم رہنے لگا، مگر امیر کی شامت آ گئی۔ انھوں نے اسے مار مار کر بے ہوش کر دیا۔ آخر امیر آدمی نے تنگ آ کر ٹوپیاں بنانے والے سے کہا کہ اگر تم مجھے

ان وحشیوں سے چھڑا دو تو میں گھر پہنچتے ہی آدھی جائداد تمھیں دے دوں گا۔ یہ سن کر غریب آدمی نے جنگلیوں کو اشارے سے سمجھایا کہ یہ میرا مددگار ہے، اسے کچھ نہ کہو۔ جس پر جنگلیوں نے امیر کو پھر نہ چھیڑا۔ جوں توں کر کے وہ دونوں جزیرے سے رخصت ہو کر اپنے شہر پہنچے۔

غریب دوست نے کہا: ''تم نے دیکھ لیا! دولت کا محل کیسا ناپائدار اور اس پر غرور کرنے والا کیسا نادان اور ناسمجھ ہے۔ میرے پاس ہنر کی دولت ہے۔ اب بتاؤ! امیر تم ہو یا میں؟ اصل دولت مند وہی ہے جو ہنر جانتا ہو اور محنت کر سکتا ہو۔''

امیر نے گھر پہنچ کر وعدے کے مطابق آدھی جائداد غریب دوست کے حوالے کر دی۔

بیداری

عفان احمد خان، کراچی

''بیٹا! تمھیں کتنی بار منع کیا ہے کہ موٹر سائیکل تیز نہ چلایا کرو۔'' عرفان صاحب نے عمار کو سمجھایا۔

''ابو! دراصل مجھے جلدی تھی۔'' عمار نے شرمندگی سے جواب دیا۔

عمار ایک ذہین لڑکا تھا۔ وہ ہر کلاس میں اول آتا۔ انٹر کے بعد عرفان صاحب نے اسے موٹر سائیکل دلا دی۔ عمار بے حد خوش تھا۔ عرفان صاحب نے اسے نصیحت کی کہ وہ زیادہ تیز مت چلائے۔ کچھ دن تو عمار نے نصیحت پر عمل کیا، لیکن کچھ دن بعد ہی اس نے دوستوں کے ساتھ روڈ پر ریس لگانی شروع کر دی۔

ریس میں شہر یار، عمار سے آگے نکل گیا۔ عمار نے موٹر سائیکل کی رفتار مزید تیز کی۔ اسی وقت سامنے ایک ٹرک آیا۔ عمار کی موٹر سائیکل ٹرک سے ٹکراتی ہوئی دور جا گری۔

عمار کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو وہ اسپتال میں تھا۔ اس نے سنا، ڈاکٹر کہہ رہے تھے: ''ہمیں

افسوس ہے عرفان صاحب! بچے کی ٹانگ کاٹنی پڑے گی۔''

عمار کی چیخ نکل گئی۔ وہ چلّا اُٹھا: ''نن ......نہیں، میں نہیں کٹواؤں گا اپنی ٹانگ۔''

سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''کیا ہوا بیٹا!'' ابو نے اس سے پوچھا۔

عمار نے دیکھا، وہ کمرے میں لیٹا ہوا تھا: ''وہ ...... میں......'' عمار ہکلانے لگا، پھر اس نے اپنا خواب ابو کو سنا دیا۔ ابو نے اسے دلاسا دیا اور سمجھایا: ''بیٹا! قدرت نے یہ تمھیں ایک موقع دیا ہے۔ تم یہ سب چھوڑ دو۔'' عمار نے عزم کیا کہ وہ آیندہ موٹر سائیکل چلانے میں احتیاط کرے گا۔

سمجھ داری کی باتیں

حلیمہ صابر، ہری پور

میرا نام منیبہ ہے، لیکن پیار سے سب لوگ مجھے منی کہتے ہیں۔ میری امی مجھے اکثر سمجھ داری کی باتیں بتاتی ہیں۔ چلیں، میں آپ کو بھی بتاتی ہوں۔

ایک دن میں یونی فارم پہن کر اسکول جانے کے لیے بس اسٹاپ پر پہنچی تو میری بس جا چکی تھی۔ ابھی میں وہیں کھڑی تھی کہ ایک گاڑی میرے قریب آ کر رکی۔ ایک آدمی نے باہر جھانک کر کہا: ''آؤ بیٹا! میں آپ کو اسکول تک چھوڑ آؤں۔''

اس دن میرا ٹیسٹ بھی تھا۔ میرا دل چاہا کہ میں ان انکل کے ساتھ اسکول چلی جاؤں، پھر اچانک مجھے اپنی امی کی بات یاد آئی کہ کسی اجنبی کے ساتھ کہیں نہیں جانا چاہیے۔ میں نے انکل سے کہا: ''آپ کا بہت بہت شکریہ، آج میں اسکول سے چھٹی کروں گی۔'' اتنا کہہ کر میں گھر آ گئی۔

اسی طرح ایک روز میں اور میری سہیلیاں پارک میں جھولا جھول رہے تھے کہ ایک فقیر میری سہیلی کے قریب آیا اور اس سے پوچھا: ''بیٹا! تمھارا نام کیا ہے اور تم کہاں رہتی ہو؟''

میں نے فوراً چیخ کر کہا: ''اپنا نام اور پتا مت بتانا، میری امی نے کہا ہے کہ کسی اجنبی کو

اپنا نام پتا نہیں بتاتے۔'' پھر ہم سب سہیلیاں وہاں سے اپنے گھر کو بھاگ آئیں۔

ایک روز میں دکان سے سامان لینے گئی تو دکان دار نے مجھ سے کہا: ''یہ بسکٹ اور ٹافیاں تم لے لو، ان کے پیسے مت دینا۔''

میں نے کہا: ''میری امی کہتی ہیں کہ کسی سے کھانے کی کوئی چیز نہیں لینی چاہیے۔ آپ کا شکریہ، میں یہ نہیں لے سکتی۔'' پھر میں سامان لے کر گھر آ گئی۔

پیارے ساتھیو! کچھ لوگ آپ کی مجبوری سے فائدہ اُٹھانا چاہیں تو انھیں ہرگز ایسا نہ ہونے دیں۔

ایک دن میں نے گلی میں ایک آدمی کو دیکھا، جس کی بڑی بڑی مونچھیں اور لمبے بال تھے۔ اسے دیکھ کر میں ڈر گئی۔ میرے ابو نے مجھے بتایا کہ بُرے آدمی چہرے سے ہی بُرے نہیں ہوتے۔ بعض دفعہ خوب صورت لوگ بھی بُرے ہو سکتے ہیں، اس لیے ہمیں کسی کے ظاہر کو دیکھ کر اس کے بارے میں رائے نہیں قائم کرنی چاہیے۔

ساتھیو! ہم اپنی حفاظت خود کر سکتے ہیں۔ آپ بھی یہ تمام سمجھ داری کی باتیں سیکھیں اور سمجھ دار ہو جائیں۔

مدد کا صلہ

عبدالنافع، رفاہ عام سوسائٹی

''امی! پلیز مجھے تحفے میں سائیکل دلا دیں۔'' احمد نے ضد کی۔

''بیٹا! تم دعا کرو اللہ تعالیٰ سے۔'' امی نے پیار سے کہا۔

احمد چپ ہو گیا۔ احمد شام کو کھیلنے کے لیے میدان کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا ذہن سائیکل میں اُلجھا ہوا تھا۔ آج احمد کا رزلٹ آیا تھا۔ وہ اپنی جماعت میں اول آیا تھا۔ اس نے امی سے سائیکل کی فرمایش کی، مگر ان کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ اسے سائیکل دلا سکیں۔

وہ سڑک پار کر رہا تھا کہ اس نے دیکھا ایک بلی کا بچہ سڑک کے بیچوں بیچ سہما ہوا بیٹھا تھا۔ گاڑیاں اس کے دائیں بائیں سے گزر رہی تھیں۔ کوئی بھی گاڑی اس کو

کچل سکتی تھی۔ سڑک کے دوسری طرف اس کی ماں بے چارگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ احمد کو اس پر بڑا ترس آیا۔ اس نے احتیاط سے سڑک پر سے بلی کے بچے کو اُٹھایا اور بلی کے پاس لے جا کر چھوڑ دیا۔ بلی نے احسان مندی سے اسے دیکھا اور ''میاؤں'' کر کے شکریہ ادا کیا۔ احمد کو جلدی تھی، وہ کھیل کے میدان چلا گیا۔

کھیل کے بعد جب وہ گھر میں داخل ہوا تو گیلری میں ایک چمچماتی ہوئی نئی سائیکل کھڑی دیکھی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھتا ہوا اندر چلا گیا۔

''احمد! سائیکل پسند آئی؟'' اس کی امی نے اس سے پوچھا۔

احمد سمجھا، امی اس سے مذاق کر رہی ہیں۔

''جی اچھی ہے۔'' اس نے مختصراً کہا۔

امی نے کہا: ''احمد! یہ تمھارے ماموں تمھارے لیے لائے ہیں، فرسٹ آنے کی خوشی میں۔''

''کیا......'' احمد خوشی سے چلّا اُٹھا اور دوڑ کر سائیکل تک پہنچا اور جلدی سے سائیکل باہر نکالی اور اسے چلانے لگا۔ اسی وقت گلی میں وہی بلی نظر آئی، جس کے بچے کی اس نے جان بچائی تھی۔ احمد کو لگا کہ جیسے وہ کہہ رہی ہو: ''دیکھا احمد! مل گیا نا تمھیں احسان کا بدلہ۔''

محنت میں عظمت

مصعب بن جاوید، ملیر ہالٹ

میں روز کالج جاتے ہوئے اس لڑکے کو دیکھتا تھا۔ وہ اٹھارہ، بیس سال کا ایک شریف سا لڑکا تھا۔ کندھے پر بیگ لٹکائے اور ہاتھوں میں کاپیاں پکڑے، وہ اسٹاپ پر کاپیاں بیچ رہا ہوتا تھا۔

دن گزرتے گئے۔ میرا انٹر کا نتیجہ آ گیا۔ یونی ورسٹی میں داخلے کا مرحلہ آیا۔ میں نے شہر کی مختلف جامعات میں ٹیسٹ دیے۔ اتفاق سے میرا داخلہ ایک یونی ورسٹی میں ہو گیا۔

ایک دن میں کلاس میں بیٹھا کام کر رہا

تھا۔ چھٹی ہو چکی تھی۔ کلاس خالی تھی کہ سامنے سے وہی کتابیں بیچنے والا لڑکا گزرا۔ میں نے بے ساختہ اسے آواز دے دی: ''بھائی! سنیے گا ذرا۔''

وہ میری طرف متوجہ ہو گیا: ''جی۔''

میں نے کتابیں بند کیں: ''آپ کو میں کئی سال سے اسٹاپ پر کاپی کتابیں بیچتا ہوا دیکھ رہا ہوں اور کئی دفعہ آپ سے کتابیں خریدی بھی ہیں۔''

وہ خاموش کھڑا رہا۔

''کیا میں آپ کے بارے میں کچھ جان سکتا ہوں؟'' میں نے دل کی بات کہہ دی۔

وہ مسکرا کر بیٹھ گیا اور اس نے کہا: ''دوست! تمھارا شکریہ کہ تم نے مجھ سے کتابیں خریدیں۔ میں دراصل اپنا خرچ چلانے کے لیے یہ کام کرتا ہوں۔''

'' مگر آپ ٹیوشن کیوں نہیں پڑھاتے؟'' میں نے سوال کیا۔

اس نے بتایا: ''دوست! ٹیوشن بھی پڑھاتا ہوں۔ گھر سے یونی ورسٹی آتے اور گھر جاتے ہوئے کاپی کتابیں بیچ لیتا ہوں۔ کچھ منافع ہو جاتا ہے۔''

''مگر یونی ورسٹی کی فیس تو پھر بھی آپ نہیں بھر پاتے ہوں گے۔'' میں نے اعتراض کیا۔

اس نے بتایا: ''مجھے یونی ورسٹی نے اسکالرشپ دی ہے۔''

''تو پھر آپ یہ کام کیوں کرتے ہیں؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

وہ غمگین ہو گیا: ''میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ میں گھر کا خرچ چلانے کے لیے محنت کرتا ہوں۔ یہ میرا آخری سمسٹر ہے۔ مجھے ایک کمپنی نے ملازمت کی پیش کش کر رکھی ہے۔ ان شاء اللہ اب مشکلات ختم ہو جائیں گی۔ اچھا دوست! میں چلتا ہوں۔'' اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا باہر چلا گیا۔ میں اس عظیم طالب علم کو دیکھتا رہ گیا۔ ☆

جوابات معلومات افزا - ۲۶۱

سوالات ستمبر ۲۰۱۷ء میں شایع ہوئے تھے

ستمبر ۲۰۱۷ء میں معلومات افزا-۲۶۱ کے لیے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے درست جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ تمام درست جوابات دینے والے نونہالوں کی کل تعداد ۱۷ تھی، اس لیے ان سب نونہالوں کو ایک ایک کتاب روانہ کی جائے گی۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ حضرت ایوبؑ کی والدہ حضرت لوطؑ کی بیٹی تھیں۔

۲۔ حضور اکرمؐ کے سب سے بڑے صاحب زادے حضرت قاسم تھے۔

۳۔ دنیا میں سب سے پہلے تاریخ یونان میں لکھی گئی۔

۴۔ ''درہ خنجراب'' پاکستان اور چین کو آپس میں ملاتا ہے۔

۵۔ پاکستان کے سابق صدر محمد ایوب کا انتقال ۲۰- اپریل ۱۹۷۴ء کو ہوا تھا۔

۶۔ پاک فوج کے میجر شبیر شریف کو نشانِ حیدر کے علاوہ ستارہ جرأت بھی دیا گیا تھا۔

۷۔ مشہور ''اسوان ڈیم'' دریاے نیل پر بنایا گیا ہے۔

۸۔ مسلمان کیمیا داں اور طبیب ذکریا رازی نے سب سے پہلے چیچک اور خسرے کے بارے میں کتاب لکھی تھی۔

۹۔ ''منیلا فلپائن کا دارالحکومت ہے۔

۱۰۔ ''مٹی کا دیا'' اردو کے مشہور ادیب میرزا ادیب کی خودنوشت ہے۔

۱۱۔ اردو زبان کی ایک کہاوت یہ ہے: ''حلوائی کی دکان اور دادا جی کی فاتحہ۔''

۱۲۔ مرزا غالب کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

قاصد کے آتے آتے، خط اک اور لکھ رکھوں　　میں جانتا ہوں، جو وہ لکھیں گے جواب میں

انعام پانے والے تمام خوش قسمت نونہال

☆ **کراچی:** عائزہ خان، ناعمہ تحریم، شاہ محمد از ہر عالم ☆ **راولپنڈی:** شاہ زیب احمد، ملک محمد احسن، فاطمہ احمد ☆ **حیدر آباد:** مرزا تیمور بیگ، طٰہٰ یاسین، دعا مریم اصغر علی، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ **میر پور خاص:** آمنہ سیال، نیہا شعیب شیخ ☆ **اٹک سٹی:** عمان وحید۔
☆ **شیخوپورہ:** محمد احسان الحسن ☆ **کالا گجراں:** محمد افضل ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل۔
☆ **ٹنڈو جام:** سحر اقراء۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال ☆ کراچی: محمد سلمان زاہد، عائشہ شہزاد، زینب سلیم، محمد زایان خان، کنول فاطم زیدی، عبدالرحمٰن آفتاب صدیقی ☆ **اسلام آباد:** عیزہ ہارون، علی حسن ہارون، محمد شہیر ہارون ☆ **راولپنڈی:** مناہل شاہد، ہانیہ نور بٹ ☆ **اوکاڑہ:** ہادیہ زینب ☆ **بھکر:** فرمان حیدر ☆ **بہاول نگر:** رافت حسین ☆ **سکھر:** عمارہ ثاقب ☆ **شکر گڑھ:** ہدیٰ خالد محمود چودھری ☆ **پشاور:** محمد حیان ☆ **ڈیرہ غازی خان:** رفیق احمد ناز ☆ **چوکارہ:** فرحین زمان ☆ **فیصل آباد:** محمد علی۔

۱۰ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال ☆ کراچی: محمد صہیب علی، طوبیٰ بنتِ عبدالرؤف قریشی، علینا اختر، سمعیہ عارف، ایمن عظیم، مسکان فاطمہ، ثمین اسلم، کشف ضرار، مزنیٰ مشتاق ☆ **لاہور:** ولید اشرف، سارہ جاوید، امتیاز علی ناز، مہوش یوسف ☆ **سکھر:** ہنی مجید، زین علی انصاری ☆ **بھکر:** تسبیحہ خالد ☆ **سیالکوٹ:** محمد منیب ستار ☆ **گوجرانوالہ:** صفی اللہ قدیر ☆ **تلہ گنگ:** محمد حسان عبداللہ ☆ **احمد پور شرقیہ:** محمد احمد آصف ☆ **سانگھڑ:** محمد ثاقب منصوری ☆ **کبیر والا:** محمد عمر اشرف آرائیں ☆ **راولپنڈی کینٹ:** ذیشان گلزار ☆ **میر پور خاص:** محمد مبشر شاہد۔

۹ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال ☆ کراچی: حنظلہ احمد صدیقی، کومل فاطمہ اللہ بخش، سید فائز احمد، خنساء فیصل، سمیع اللہ خان، رضی اللہ خان، بجیل احمد علوی ☆ **گوجرانوالہ:** شہرین صادق۔

۸ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال ☆ کراچی: وریشا آصف، جاذبہ حسین، عدین فاطمہ، محمد شاہد خان ☆ **سرگودھا:** راجا مرتضیٰ خورشید علی۔

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال ستمبر ۲۰۱۷ء میں جناب عبداللہ بن مستقیم کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کر کے تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو تین نونہالوں نے مختلف جگہوں سے بھیجے ہیں۔ تفصیل درجِ ذیل ہے:

۱۔ کیمرے کی آنکھ : ہدیٰ خالد محمود چودھری، شکر گڑھ

۲۔ گتھی سلجھ گئی : راد بشیر، کراچی

۳۔ جرم بولتا ہے : ۱۔ رفیق احمد ناز، ڈیرہ غازی خان

۲۔ محمد عبداللہ شفیق، کراچی

چند اور اچھے اچھے عنوانات یہ ہیں

آستین کا سانپ۔ خفیہ کیمرا۔ گھر کا بھیدی۔ پُراسرار چوری۔

تھوڑی سی بھول۔ مشکل سراغ۔ تجوری کا راز۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: محمد معیز انصاری، صدف آسیہ، علینا اختر، عبدالرحمٰن آفتاب صدیقی، محمد اشبل عاصم خان، محمد سلمان زاہد، اسامہ رفیق، جاذبہ حسین، وریشا آصف، مصامص شمشاد غوری، عائزہ خان، تسبیح محفوظ علی، حافظ عمار ہاشمی، بشریٰ بنتِ عبدالروَف قریشی، مریم ......؟ صدیقی، شاہ بشریٰ عالم، مہوش حسین، اریبہ افروز، عبدالتواب محمد ارشد، فضل سلیمان خان،

محمد معین الدین غوری، محمد جلال الدین اسد، نور حیات، زبیر احمد، احتشام شاہ فیصل، محمد شاہد خان، اعجاز حیات، حسن علی، بہادر، محسن محمد اشرف، اختر حیات خان، احسن محمد اشرف، محمد وقاص، عاصم قریشی، ایاز حیات، سکینہ فاطمہ محمد توصیف، عبداللہ عارف، سمیع اللہ خان، رضی اللہ خان، زینب سلیم، فاطمہ صدیقی، کنول فاطمہ زیدی، کومل فاطمہ اللہ بخش، نرجیس فاطمہ، سلیم فاطمہ جلال عارف خان، مزنیٰ مشتاق، کشف ضرار، ثمین اسلم، پرویز حسین، مریم ضیا الدین، محمد زایان خان، مدحت فاطمہ امتیاز، یسریٰ فرزین، سید فائز احمد، مریم بنتِ علی ☆ **میر پور خاص:** سکینہ سیال، طوبیٰ شعیب شیخ، جہاں زیب علی ☆ **راولپنڈی:** ہانیہ نور بٹ، ملک محمد احسن، شاہ زیب احمد، ذیشان گلزار، فاطمہ احمد ☆ **بھکر:** تسبیحہ خالد، حمیرا خاتون، فرمان حیدر ☆ **سکھر:** نہدیہ مجید، طوبیٰ سلمان ☆ **اسلام آباد:** علی غفار، علی حسن ہارون، محمد شہیر ہارون، عنیزہ ہارون ☆ **لاہور:** امتیاز علی ناز، سارہ جاوید، محمد علی شاہد ☆ **حیدر آباد:** ماہ رخ، مریم بنتِ کاشف، ملک بنتِ عبدالندیم، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ **ڈیرہ غازی خان:** عفت سراج ☆ **سیالکوٹ:** محمد منیب ستار ☆ **نواب شاہ:** طیب محمود ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆ **پشاور:** محمد حمدان ☆ **گوجرانوالہ:** سمیع اللہ قدیر ☆ **جھنگ صدر:** فاطمہ عبدالجبار ☆ **حضرو:** ہشام احمد ☆ **سانگھڑ:** محمد عاقب منصوری ☆ **سرگودھا:** غلام بتول زاہد ☆ **واہ کینٹ:** محمد حذیفہ ☆ **کبیر والا:** محمد علی اشرف آرائیں ☆ **پنڈ دادن خان:** عائشہ صدیقہ جنجوعہ ☆ **نوشہرہ:** محمد عقیل اعوان ☆ **علی پور:** سلمان یوسف سمیجہ ☆ **فیصل آباد:** محمد علی، محمد احمد فیض ☆ **بہاول پور:** فاطمہ فیصل ☆ **ملتان:** حمیرا صدیق ☆ **اٹک سٹی:** حمزہ وحید ☆ **تلہ گنگ:** حسن عبداللہ ☆ **مظفر آباد:** اصبح احمد ☆ **شیخوپورہ:** محمد احسان الحسن۔ ☆

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ ستمبر ۲۰۱۷ء کے بارے میں ہیں

❁ تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے۔ کہانیوں میں دل چسپ اور سبق آموز قیمتی تحفہ اور اُدھار کی سیڑھی تھیں۔ ملازم بھائی بھی منفرد اور مقصد سے پُر کہانی تھی باقی تمام کہانیاں بھی پسند آئیں۔ میرا من پسند سلسلہ روشن خیالات ہے، جو ذہن کو روشن کر کے مشعلِ راہ کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اس قدر محنت کر کے ہمارے لیے خاص نمبر تیار کرنے کے لیے ہمدرد ادارے کا بے حد شکریہ۔ سمیرہ بتول اللہ بخش، حیدر آباد

❁ ستمبر کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور روشن خیالات بہت اچھے سلسلے ہیں۔ کنجوس کی قربانی، بلاعنوان کہانی، سریلی آواز، اچھی مچھلی اور بابا بیرو عمدہ کہانیاں ہیں۔ خزانے کی تلاش، خطرناک بیج اور بکرا بیتی کی طرح باقی ساری کہانیاں لاجواب تھیں۔ حمزہ کا بکرا، ہمارا بکرا نظمیں بہت اچھی تھیں۔ معلومات ہی معلومات، بیت بازی، بی آر بی کی کہانی اور پھول، پودے، درخت کہانیاں اچھی تھیں۔ سرورق اور باقی تحریریں بھی اچھی تھیں۔ زہیر بن ذوالفقار، ناعمہ بنت ذوالفقار، کراچی۔

❁ ستمبر کا رسالہ بہت اچھا لگا۔ کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ کنجوس کی قربانی، اچھی مچھلی، سریلی آواز اور خزانے کی تلاش زبردست تھیں۔ بلاعنوان کہانی، بابا بیرو، بکرا بیتی اور باقی تمام کہانیاں عمدہ تھیں۔ مضامین عمدہ اور لاجواب تھے۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات، روشن خیالات سب اچھے سلسلے ہیں۔ نظم ہمارا بکرا سمیت باقی تمام نظمیں اچھی تھیں۔ باقی سلسلے اچھے تھے۔ نونہال ادیب اور علم دریچے اچھے سلسلے ہیں۔ عالیہ ذوالفقار، کراچی۔

❁ ستمبر کا شمارہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ انکل! اپریل میں میرا نام انعام یافتہ نونہالوں میں شامل تھا، مگر مجھے اب تک انعامی کتاب نہیں ملی۔ مزنیٰ مشتاق، سرجانی ٹاؤن۔

> کتاب آپ کو پرچا چھپنے سے پہلے ہی یعنی ۱۵ مارچ کو رجسٹری نمبر ۵۷۶ کے تحت روانہ کی گئی تھی، لیکن یہ کتاب ہمیں ۱۱- اپریل کو واپس مل گئی، کیوں کہ ڈاکیے کو آپ کا گھر نہیں ملا۔ پتا وہی تھا جو آپ نے کوپن پر لکھا تھا۔

❁ ستمبر کا شمارہ تو لاکھوں میں ایک تھا۔ مجھے تو اتنا پسند آیا کہ سمجھ نہیں آرہا کیسے بتاؤں۔ بلاعنوان کہانی تو بہت ہی

زبردست تھی۔ اس کے علاوہ مجھے کنجوس کی قربانی بہت پسند آئی۔ احسان مند کا دوسرا ٹکڑا تو بہت ہی لاجواب تھا۔ نظموں میں حمزہ کا بکرا بہت ہی زیادہ اچھی تھی۔ ہنسی گھر کے سارے لطیفے لاجواب تھے۔ غرض پورا رسالہ دل چسپ اور معلومات سے بھرپور تھا۔ نام پتا نامعلوم۔

❁ ستمبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ ہر کہانی اپنی مثال آپ تھی۔ کیا ہم سرورق کی تصویر ای۔ میل کے ذریعے بھیج سکتے ہیں؟ عائزہ خان، کراچی۔

ای میل سے تصویر صاف نہیں آتی۔

❁ سرورق کی تصویر سب سے الگ تھی۔ جاگو جگاؤ بہترین کالم ہے اس بار بھی اچھا لگا۔ پہلی بات پہلے کی طرح اچھی تھی اور روشن خیالات نے ہمارے خیالات روشن کر دیے۔ علم دریچے معلومات سے بھرا ہوا تھا۔ بیت بازی کی محفل نے نونہالوں کے پسندیدہ اشعار سے دل جیتا۔ سلمان یوسف سمیجہ، علی پور۔

❁ ستمبر کا شمارہ بہت ہی شان دار تھا۔ کہانیوں میں کنجوس کی قربانی، اچھی مچھلی اور بابا بیرو دل کی بھائیں۔ شریف شیوہ کی ''حمدِ باری تعالیٰ'' اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اظہار کر رہی تھی۔ نسرین شاہین کی کاوش ''حیاتِ قائداعظم'' معلومات سے بھرپور تھی۔ رانا محمد شاہد کی تحریر ''بی آر بی کی کہانی'' بہت دل چسپ تھی۔

نونہال ادیب میں عزم سے عظمت اور لگا بندھا معمول متاثر کن تھیں۔ راجا فرخ حیات، عظمت حیات، نزہت حیات، ثمینہ، شاذیہ، پنڈ دادن خان۔

❁ ستمبر کا شمارہ شان دار تھا۔ بہت پسند آیا۔ سرورق بہت اچھا تھا۔ پہلی بات اور جاگو جگاؤ اپنی مثال آپ تھے۔ احسان مند کا اختتام بہت خوب صورت تھا۔ اس کے علاوہ بلاعنوان کہانی بھی زبردست تھی۔ سریلی آواز پڑھ کر حیرت ہوئی۔ نظموں میں حمزہ کا بکرا اور ہمارا بکرا لاجواب تھیں۔ لطائف بھی کمال کے تھے۔ نونہال مصور میں نور فاطمہ کی ڈرائنگ سب سے اچھی تھی۔ معلومات ہی معلومات نے معلومات میں اضافہ کیا۔ انکل! ''لجاجت'' کا کیا مطلب ہے؟ میں نے بلاعنوان کہانی کا کوپن بھیجا تھا۔ میرا عنوان ''پاؤں کی دھول'' کو اچھے عنوانات میں لکھا ہے، مگر میرا نام نہیں لکھا ہوا ہے۔ اصبح احمد، مظفر آباد۔

لفظ ''لجاجت'' کے کئی معنی ہیں۔ مثلاً لڑائی جھگڑا بھی اور عاجزی، خوشامد، چاپلوسی، منت سماجت بھی۔ اس کا ایک مطلب بھوک سے تڑپنا بھی ہے۔ عنوان پاؤں کی دھول، بے شمار نونہالوں نے بھیجا تھا۔ آپ کا بھیجا ہوا عنوان ہمیں بر وقت نہیں ملا۔

❁ ستمبر کا نونہال بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں بابا بیرو، احسان مند، خزانے کی تلاش، خطرناک بیج اور بکرا بیتی پسند

آئیں۔ کنجوس کی قربانی پڑھ کر مزہ آیا۔ بلاعنوان انعامی کہانی بھی اچھی تھی۔ عبدالرحمٰن بن عبدالرؤف قریشی، کراچی۔

❁ ہمدرد نونہال کا ہر شمارہ زبردست اور لاجواب ہوتا ہے۔ ستمبر کا شمارہ بھی بہت اچھا تھا۔ سریلی آواز، کنجوس کی قربانی، بی۔آر۔بی کی کہانی، خطرناک بیج، اچھی مچھلی، بابا بیرو، بکرا بیتی اور خزانے کی تلاش تمام کہانیاں بہت دل چسپ تھیں۔ ایک اونٹ ہزار فائدے پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ لطیفے تو ہنسی سے لوٹ پوٹ کر دینے والے تھے۔ کیا میں بلاعنوان انعامی کہانی کا کوپن اور ایک کہانی لکھ کر ساتھ ایک ہی لفافے میں بھیج سکتا ہوں؟ نام پتا نا معلوم۔

جی ہاں، ایک لفافے میں سب تحریریں بھیج سکتے ہیں، لیکن ہر کاغذ پر نام اور مکمل پتا ضرور دیکھیے۔ اس خط میں بھی آپ نے اپنا نام اور مقام نہیں لکھا۔

❁ میں ماہ نامہ نونہال کی نئی قاریہ ہوں۔ مجھے اس رسالے نے انتہائی متاثر کیا ہے۔ ستمبر کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ خزانے کی تلاش، خطرناک بیج اور بلاعنوان، یہ کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ لطیفے بھی پسند آئے۔ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو نونہالوں کے لیے اصلاح کا ذریعہ بنائے آمین۔ بنتِ محمد اقبال، پشاور۔

❁ تمام کہانیاں اپنی مثال آپ تھیں۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کی ''سریلی آواز نے شفقتِ پدری کی خوب عکاسی کی۔ ''کنجوس کی قربانی'' کنجوس نے اپنی جھوٹی عزت کو بچانے کی خاطر جو تدبیر چلی اور اسی پر اُلٹی ہوگئی۔ ''بابا بیرو'' میں بھی ایک باغبان کی اپنے باغ سے محبت دکھائی گئی تھی۔ غرض سبھی کہانیاں لاجواب تھیں۔ محمد ابوبکر اشرف آرائیں، کبیر والا۔

آپ نے خط میں جو شکایات کی ہیں، وہ متعلقہ شعبے کو بھجوا دی ہیں۔ ان شا اللہ تدارک ہوگا۔

❁ یومِ دفاع کے حوالے سے ستمبر کے شمارے کا سرورق پاکستان سے سچی محبت کا جذبہ ابھار رہا تھا۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات نے ہمارے دل جیت لیے۔ کہانیوں میں سریلی آواز، کنجوس کی قربانی اور خزانے کی تلاش پُرتجسس اور بہت ہی سبق آموز تھیں۔ بلاعنوان کہانی سب پر سبقت لے گئی۔ نظموں میں حمزہ کا بکرا، پیکرِ عزم تھیں اور ہمارا بکرا دل کو چھو لینے والی تھیں۔ پرنس راجا ثاقب محمود جنجوعہ، عائشہ رانی، ناجیہ، صدف، ثانیہ، پنڈ دادن خان۔

❁ ماشا اللہ اس بار بھی تمام کہانیاں بہت خوب تھیں۔ انکل! میں نونہال بک کلب کی ممبر بننا چاہتی ہوں، مجھے کارڈ کب ملے گا؟ خنساء فیصل، کراچی۔

آپ کا ممبر شپ کارڈ روانہ کر دیا گیا ہے۔

❁ ماہِ ستمبر کے ماہ نامے کا سرورق بہت پسند آیا۔ روشن

خیالات میں اقوال بہترین تھے۔ م۔ ص۔ ایمن کی کہانی احسان مند بہت پسند آئی۔ ادیب سمیع چمن کی کہانی کنجوس کی قربانی بہت ہی اچھی تھی۔ عبداللہ بن مستقیم کی بلاعنوان کہانی بھی لاجواب تھی۔ رانا محمد شاہد کی بی آر بی پر تحریر بڑی زبردست تھی۔ ہنسی گھر کے تمام لطیفے مزاحیہ تھے۔ علم دریچے اور نونہال ادیب کا تو کوئی جواب ہی نہ تھا۔ خدا کرے ماہ نامہ ہمدرد نونہال اسی طرح ترقی کرتا رہے۔ آمین۔ پرویز حسین، کراچی۔

❁ ستمبر کا شمارہ پسند آیا۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ تمام سلسلے بھی پسند آئے۔ انکل! نونہال مصوری بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟ طوبیٰ بنتِ عبدالرؤف قریشی، کراچی۔

جو طریقہ تحریر بھیجنے کا ہے، وہی تصویر بھیجنے کا بھی ہے۔

❁ سب سے پہلے ہمیشہ کی طرح جاگو جگاؤ اور پہلی بات پڑھی۔ پھر حمدِ باری تعالیٰ اور نعتِ رسولِ مقبولؐ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ نظمیں اور مضامین سارے ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ عاصمہ فرحین کراچی۔

❁ سرورق پسند آیا۔ شمارے کی ہر کہانی لاجواب تھی۔ ہنسی گھر، نونہال ادیب اور علم دریچے بھی بہت پسند آئے۔ انکل! میں سال ۲۰۱۷ء کا خاص نمبر لینا چاہتی ہوں۔ حمیرا خاتون، صدف حق نواز بلوچ، زبیدہ خاتون، فاضل، بھکر۔

ساٹھ روپے کا منی آرڈر بھیج کر منگوالیں۔

❁ ستمبر کا نونہال بہت نہیں، بلکہ بہت زیادہ پسند آیا۔ کہانیوں میں سب سے اچھی بابا بیرو تھی۔ کنجوس کی قربانی بھی پسند آئی۔ انکل! میری لکھائی کیسی ہے؟ بشریٰ بنتِ عبدالرؤف قریشی، کراچی۔

اچھی ہے، مزید بہتری کی کوشش کریں۔

❁ جاگو جگاؤ سے نونہال لغت تک سب بہترین تھا۔ اس شمارے کی جان اس مہینے کے خیال میں بسی تھی۔ حیاتِ قائداعظم اور اصول پرست جناح پسند آئے۔ نظم پیکرِ عزم یقین بہترین تھی۔ سریلی آواز، کنجوس کی قربانی، اچھی مچھلی، بابا بیرو، خزانے کی تلاش اچھی کہانیاں تھیں۔ کہانی احسان مند زبردست تھی۔ بلاعنوان کہانی کچھ خاص نہیں تھی۔ ہنسی گھر زبردست تھا۔ کیا میں بلوچی کہانی اردو میں منتقل کر کے بھیج سکتی ہوں؟ ایمن فاطمہ، جگہ نامعلوم۔

ہاں بھیجیں، مگر بہت دل چسپ ہو اور کہیں چھپی ہوئی نہ ہو۔

❁ ستمبر کا شمارہ بہت عمدہ تھا اور ہمیشہ ہی ہوتا ہے، لیکن اس بار بہت اچھا لگا۔ بلاعنوان، کنجوس کی قربانی، اچھی مچھلی، خزانے کی تلاش بہت ہی عمدہ کہانیاں تھیں۔ مجھے بک کلب کے ممبروں میں شامل کرلیں۔ سید فائز احمد، کراچی۔

آپ کا ممبر شپ کارڈ روانہ کر دیا گیا ہے۔

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری ہمدرد فاؤنڈیشن کے فلاحی کاموں کا ایک حصہ ہے۔ ہر مہینے پورے پاکستان میں ہزاروں مریضوں کا فری چیک اپ کر کے فری دوائیاں دی جاتی ہیں۔ یہ فری موبائل ڈسپنسریاں کراچی، لاہور، ملتان، بہاول پور، فیصل آباد، سرگودھا، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ، سکھر، حیدرآباد اور آزاد کشمیر میں مستحق مریضوں کا علاج کرتی ہیں۔

کراچی کے لیے چھے گاڑیاں درجِ ذیل علاقوں میں خدمت پر مامور ہیں:

غازی آباد، گلشن بہار، اورنگی نمبر 13، قائم خانی کالونی، بلدیہ ٹاؤن، نیوکراچی سیکٹر 11-D، سیکٹر 11-F، نئی آبادی، یوسف گوٹھ، لیاری ایکسپریس وے، خدا کی بستی، کورنگی نمبر 2، کورنگی سوکوارٹرز، کورنگی نمبر 4، ونگی گوٹھ، محمود آباد، عمر گوٹھ، ایوب گوٹھ، مدرسہ انوارالایمان، سلطان آباد، مدرسہ منبع العلوم، وھیل کالونی، اکبر گراؤنڈ، مہاجر کیمپ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 3، شفیع محلّہ (لال مسجد)، نورشاہ محلّہ، مواچھ گوٹھ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 7، مشرف کالونی بلاک سی، ایف، ای اور اے روڈ، لیاقت آباد پیلی کوٹھی، کوثر نیازی کالونی، مجید کالونی اور ملیر۔

لفظ	تلفظ	معنی
زبوں	زَ بُ وْ ں	خراب۔ تباہ۔ کم زور۔ لاغر۔ ضعیف (کیفیت: زبوں حالی)
صدق مقال	صِ دْ قِ مَ قا ل	سچ بولنے والا۔
تنویم	تَ نْ وِ یْ م	سلانا۔ سلانے کا عمل۔
دل گیر	دِ لْ گِی ر	مغموم۔ غمگین۔
سگھڑ	سُ گھَ ڑ	تمیزدار۔ خوش سلیقہ۔ ذی شعور۔ کاری گر۔
ثالث	ثا لِ ث	تیسرا۔ بیچ بچاؤ کرانے والا۔ سرپنچ۔
حامی	حَ ا مِی	حمایتی۔ مددگار۔
ہامی	ہَ ا مِی	ہاں۔ اقرار۔ اثبات۔ (ہامی بھرنا یعنی اقرار کرنا)
ہونہار	ہو نْ ہا ر	جس میں لیاقت اور قابلیت کے آثار ہوں۔ لائق۔
نہاں	نِ ہا ں	چھپا ہوا۔ پوشیدہ۔
محور	مِ حْ وَ ر	دُھرا، جس پر پہیا گردش کرتا ہے۔ کیلی۔ مرکز۔
مشاہدہ	مُ شا ہَ دَ ہ	معائنہ۔ نظارہ۔ دید۔ دیکھنا۔ عینی تجربہ۔
ایذا	اِ یْ ذَ ا	تکلیف پہنچانا۔ دکھ دینا۔ ضرر۔
تلقین	تَ لْ قِی ن	سمجھانا۔ نصیحت۔ ہدایت۔ تعلیم۔
اسیر	اَ سِی ر	قیدی۔ پابند۔
بانکپن	با نْ کْ پَ ن	وضع داری، جس میں خودنمائی شامل ہو۔ سرکشی۔ ناز و انداز۔ شوخی۔ طراری۔ نخرہ۔